

کتمانِ علم

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ الْجَمَّ يَوْمَ
الْقِيَمَةِ بِلَجَامٍ مِّنْ نَّارٍ -

[رواه احمد وابوداؤد والترمذی ورواه ابن ماجه عن انس]

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس سے علم کی بات دریافت کی جائے۔ جسے وہ جانتا ہو
اور وہ اسے چھپائے اسے قیامت کے دن آگ
(دوزخ) کی لگام دی جائے گی۔“

احمد ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ حضرت انس سے

دین کے بنیادی اصول ۲۵

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَرَضُوا عَنْهُ﴾ [التوبة: ۱۰۰]

”سبق لے جانے والے پہلے مہاجرین و انصار اور جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہو گئے۔“

آپ نے فرمایا: ”میرے صحابہ کو برا نہ کہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر ڈالے تو بھی ان کے ایک یا آدھے مُد کو نہیں پہنچ سکتا۔“

[صحیح بخاری: ۳۶۷۳۔ صحیح مسلم: ۲۵۴۱]

شرح: صحابہ سے متعلق عقیدہ کے مسئلہ میں علماء نے گفتگو کی ہے، یہ گفتگو بالعموم ان رافضیوں کے رد میں ہے جو اکثر صحابہ کو کافر قرار دیتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب رافضیوں نے علیؑ کے متعلق برے عقائد بنا لیے کہ علیؑ اپنے سے پہلے تینوں یعنی ابوبکر، عمر اور عثمان سے خلافت کے زیادہ حقدار تھے، پھر انہوں نے اپنی تائید میں جھوٹی احادیث بھی بیان کیں: ”علیؑ نبیؐ کے وصی تھے، اور علیؑ کو ہی آپ ﷺ نے خلافت کی وصیت فرمائی تھی۔“ جب رافضیوں کو معلوم ہوا کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے تو انہوں نے یہ عقیدہ بنایا کہ ابوبکر، عمر اور عثمان نے خلافت کا منصب چھین کر حاصل کیا ہے حالانکہ یہ حکومت اور نیابت ان خلفائے ثلاثہ کا حق نہ تھا، پھر جن صحابہ نے اُن کی بیعت کی انہوں نے بھی غلطی کی ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ علیؑ مظلوم تھے کہ ان سے یہ حق چھین لیا گیا حالانکہ وہ امامت اور خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔

رافضی یہیں تک نہ رہے، بلکہ انہوں نے ان تمام صحابہ کے کفر کا عقیدہ بنایا اور کہا وہ سب مرتد ہو گئے تھے، اس کے لیے یہ حدیث بیان کی: آپ ﷺ سے کہا جائے گا: ”آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا نئے کام کیے تھے۔“ [صحیح بخاری: ۶۵۷۶۔ صحیح مسلم: ۲۲۹۷]

پھر یہ لوگ سب مل کر صحابہ کرام کے خلاف جھوٹی احادیث جمع کرنے اور بنانے لگے۔“

اہل السنۃ نے ان جھوٹی باتوں کا رد کرنے کی ضرورت محسوس کی، لہذا انہوں نے فضائل صحابہ پر مبنی احادیث کو اہتمام سے جمع کیا، اور یہ وضاحت کی کہ خلافت کے مسئلہ میں وہی ترتیب درست ہے جس ترتیب سے یہ خلفاء اس منصب پر فائز ہوئے تھے۔ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکرؓ تھے جنہیں صحابہ کرام نے خلیفہ رسول اللہ کا لقب دیا، صحابہ کرام نے بغیر کسی اختلاف کے ان پر اجماع کر کے ان کی بیعت کی، کیوں کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے دوران بیماری کے ایام میں نماز کی نیابت سے ابوبکرؓ پر راضی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابوبکر کو حکم دو! وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ [صحیح بخاری: ۶۶۴]

فہرست

1	کتمانِ علم	جواہرِ پارے
2	دین کے بنیادی اصول (۲۹)	کلمہ طیبہ
4	حافظ احمد شاکر	اداریہ
6	تفسیر سورۃ قی..... (۳)	درس قرآن
9	توفیق الباری	درس حدیث
11	احادیث فضیلت شبِ براءت اور امام البانی (۲)	تحقیق و تنقید
17	زیارتِ قبور کے متعلق شبہات کا ازالہ	تحقیق و تنقید
21	بیادِ استاذی محترم علیم ناصری	یاد رفتگان
24	کتاب اورستم ظریف عناصر	نقطۂ نظر
28	بنام مولانا عبدالغفار حسن	مشاہیرِ نامہ
30	ماہِ شعبان کی بدعات و رسومات	بدعات و رسومات
32	موسیقی، رقص و سرود اور ناچ گانے کی شرعی حیثیت (۱)	تحقیق و تنقید
35	اجنبی فضا	شعر و ادب
	(ترجمہ: ابو بکر ظفر)	
	(مولانا ارشد الحق اثری)	
	(حافظ محمد اشرف سعید)	
	(محمد خضیب احمد)	
	(ابوبقی مولانا حفیظ الرحمن لکھوی)	
	(امّ عبدمنیب)	
	(پروفیسر محمد بشیر متین فطرت)	
	(بنام مولانا عبدالغفار حسن)	
	(مولانا عاشق الہی)	
	(حافظ عثمان فاروقی)	
	(راخ عرفانی)	

یرید بہا الباطل

حافظ احمد شاہ

اداریہ

روس نے افغانستان میں مداخلت خالص استحصالی نکتہ نظر سے کی اور اس کے نہاں خانہ خیال میں ناقابل شکست ہونے کا جو گھمنڈ اور احساس سما ہوا تھا یہ اس کا پر تو تھا۔ باوجودیکہ افغانستان کے بعض تعلیمی اور حکومتی اداروں میں روسی فکر پھل پھول رہا تھا لیکن اس مداخلت کی مزاحمت اولاً تو افغانستانیوں نے خالص دینی جذبے یعنی روس کو کافر جانتے ہوئے شروع کی۔ مرحوم بھٹو کی کوششوں سے افغانستان پاکستان کے قریب آچکا تھا۔ افغان مسلمانوں نے تعلقات کی اس خوش گواری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرحوم ضیاء الحق سے تعاون چاہا تو مرحوم ضیاء الحق صاحب بھی خالص دینی جذبے ہی سے افغانی مسلمانوں کے ساتھ آمادہ تعاون ہو گئے۔ امریکہ بہادر پہلے تو ہاتھی اور مولے کی جنگ کا دور بیٹھے جائزہ لیتا رہا جب اسے مولے کو ابانیل بن جانے کا یقین ہو گیا تو پھر جہاں جتنج نال فوراً اپنے تعاون کا دانہ پھیلا دیا جو پاکستان و افغانستان نے تھوڑی سی رد و قرح کے بعد چگ لیا۔ گوریلا لڑائی کی حکمت عملی سے جنگ جوں جوں پھیلتی گئی روس اس میں دھنسا گیا اس جنگ کو مسلم کافر کی جنگ قرار دیتے ہوئے علمائے ملت اسلامیہ نے اس کو جہاد قرار دے دیا اس جنگ کو جہاد کا نام دینے جانے کے بعد مسلم امہ کا جوان خون جوش میں آ گیا اور پوری دنیا کے مسلمان اس جہاد میں شرکت کو اعزاز جانتے ہوئے افغانستان کی طرف دوڑنے لگے جس کے لیے اولاً سرزمین پاکستان ان کے لیے راستہ بنی پھر ایران کے راستے بھی بعض مجاہدین افغانستان پہنچے۔ امریکہ لفظ جہاد کو لے اڑا اس کی حمایت بھی خوب کی جو کلمۃ حق یرید بہا الباطل ”یعنی بات اچھی اور مقصد برا“ کا مصداق تھی کہ وہ اس بہانے مسلمانوں کے جذبہ جہاد کی پیمائش بھی کرنا چاہتا تھا اور مسلم امہ کے جوان خون کو ایک جگہ اکٹھا کر کے اس جنگ میں جھونکنا بھی چاہتا تھا۔ اس جنگ میں جان دینے والے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب سے باریاب ہو چکے ہونگے کہ جس نے جان دیدی اس کا باقی کیارہ گیا لیکن امریکہ کے سامنے جنگ افغانستان سے اپنے مفادات کشید کرنا تھے اور جنرل ضیاء الحق کے سامنے عالمی طور پر اسلامی بلاک بنانے کا خوش نما لیکن خیالی منصوبہ تھا۔ چنانچہ افغانستان سے سوویت روس کے فوجیں واپس جانے کے بعد پاکستان میں جمہوری حکم رانی اور جمہوریت کا غلغلہ پھر بلند ہوا اور پاکستان کے ایک نہایت ”شریف انسان محمد خان جونیجو“ کے سرپر وزارت عظمیٰ کا تاج سجایا گیا جمہوریت تو کتنی آئی اور کیا آئی تھی ہاں البتہ اس شریف وزیراعظم کے ہاتھوں جینوا معاہدہ کے نام پر جنگ افغانستان میں پاکستانی حکمت عملی کی تمام کامیابیوں کی پیٹھ میں ایسا چھرا گھونپ دیا گیا کہ اس زخم سے خون اب تک رِس رہا ہے اور دنیا بھر میں جہاں کہیں کفار کے ہاتھوں خون مسلم بہہ رہا ہے یہی اسی معاہدہ جینوا کے زخم کا خون ہے۔ امریکہ چونکہ اپنے واحد حریف کو مسلمانوں کی قربانیوں سے چت کر چکا تھا جس پر امریکہ نے مسلمانوں کا شکر گزاریا ان سے متعاون ہونے کی بجائے مسلمانوں ہی کو نشانے پر رکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کو صحیح ثابت کر دیا کہ ”اتق شرمین احسنت الیہ“، یعنی جس پر احسان کرو اسی کے شر سے بچو۔ وہ دن گیا اور آج کا دن آیا، امریکہ دنیا میں دندنا رہا ہے اور مسلمانوں پر غرار رہا ہے۔ جس نے اس کے حکم سے سرتابی کی یا اس کو آنکھیں دکھانے کی، کوشش کی اس نے اسکو بس چلا تو صفحہ ہستی سے مٹا دیا وگرنہ اس کے خاندان کو چھٹی کا دودھ یاد دلادیا۔

شکست روس کے بعد امریکہ چونکہ میں بقلم خود اور بزم خود واحد سپر پاور بن گیا اور اس نے نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے اپنا شاہی فرمان بھی جاری بھی کر دیا تو اس کے بعد دس سال تک پاکستان کے مختلف سیاسی لیڈروں کو ٹھونک بجا کر وہ یوں آزماتا رہا کہ اقتدار دے کر کبھی ایک کو جانچا کبھی

دوسرے کو۔ ہر ایک شوق حکمرانی میں اطاعت شعاری کی کوشش بھی کرتا رہا تا آنکہ اس کو مطلوب و مقصود مل گیا جس نے امریکہ کی صلیبی جنگ، جس کا کئی بار سابق صدر امریکہ نے اعتراف بھی کیا، کو اس ”محبت و عقیدت“ سے گلے لگا لیا کہ وہ شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار مان لیا گیا۔ اس صلیبی جنگ کو امریکہ مختلف عنوان دیتا رہا لیکن بالآخر امریکی آلہ کاروں کی کارستانیوں کو میڈیا کے زور پر وہ دہشت گردی کی جنگ کا نام دینے میں کامیاب ہو گیا۔ امریکہ نے اس کی ابتداء عراق میں انسانی خون بہانے سے کی جہاں سے شکست بھانپ کر اس نے نہتے افغانوں کا قرض بھل دیکھا۔ افغانستان آ کر اس کو جلد اندازہ ہو گیا کہ وہ خود پتھر کے دور میں آچکا ہے اور پھنس چکا ہے۔ اسی اثنا میں پاکستان میں اسے ایسا گویا ہر کیتا مل گیا جس نے لمحہ بھر میں بے مثال خود سپردگی کر کے اس جنگ کو پاکستان میں لے آنے کے اسباب مہیا کر دیئے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس نامشرف کے جانے تک پاکستانی سیاست نے ایسی قلابازیاں کھائیں اور وطن عزیز ایسے حوادث سے دوچار ہو گیا کہ اب وہی صلیبی جنگ پاکستان میں پاکستان کی جنگ کے نام پر جاری و ساری ہے اور کوئی بھی حال یا مستقبل کا حکمران اس جنگ کو نہ صلیبی جنگ کہنے کی ہمت رکھتا ہے اور نہ امریکہ کی جنگ۔ سب اس کو اپنی..... یعنی ذاتی مفادات کی جنگ کو پاکستان کی..... جنگ کہہ رہے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ اس جنگ کو بہتوں کے بھلے مستقبل کی جنگ سمجھا جا رہا ہے۔

آسائش اور ضرورت

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اقوام دنیا کی آسائشوں، آرائشوں اور نعمتوں کے بہتات کی حصول کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں بنی اسرائیل کے من و سلویٰ کی طرح وہی نعمتیں اور آسائشیں بالآخر ان کی تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔

اس میں افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ آسائشوں کی اس چکا چوند سے ہم سب ہی چند ہیچکے ہیں۔ کم و بیش ۹۵ پچانوے فیصد سفید پوش عوام ان آسائشوں کو اب ضرورت بنا چکے ہیں اور ان بے جا ضرورتوں کے لیے اسی تناسب سے سفید پوش طبقہ (جن میں اہل دین بلکہ دینی قائدین بھی شامل ہیں) مقروض رہتا ہے۔ صدی نصف صدی کی بات نہیں ایک دو دہائیوں کی بات ہے کہ اس وقت ”منزل وائر“ یعنی شفافیت کے نام سے پینے کے لئے بوتل کے پانی سے کون آشنا تھا۔ موبائل فون کا فتنہ تو شاید اکیسویں صدی کا سب سے بڑا فتنہ ہے جس نے لاکھوں افراد کو اخلاقی طور پر تباہ اور ہزاروں خاندانوں کی زندگیاں اجیرن کر دی ہیں نیز اس فتنے سے ہماری قوم کم از کم ستر ارب روپیہ ماہانہ خرچ کرتی ہے اور موبائل فون کی شگفتگی اور نئے ماڈلز کی آمد اس سے الگ ہیں۔ موبائل ایک ایسا عجوبہ ہے کہ اس کی افادیت پر ایک طویل لیکچر دیا جاسکتا ہے لیکن اس کی وجہ ایجاد کا نہ کسی کو علم ہے اور نہ ہی کوئی اسے جاننا چاہے گا۔ اگر بتائیں بھی تو یقین نہیں کرے گا کہ اسکی ایجاد تو دنیا سے باخبر رہنے، اس کو اپنی گرفت میں رکھنے اور زیر نگین کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ عوام کو میڈیا کے زور سے شیمپو، ریفریجریٹر، فریج، گیزر، ہیئر جیسی آسائشوں کو ملٹی نیشنل کمپنیاں عوام تک پہنچانے میں کوشاں رہتی ہیں۔ یہ سب سرمایہ سمیٹنے کے وہ گورکھ دھندے ہیں جن میں طاغوت کوشاں رہتا ہے۔

ترقی پذیر ممالک میں سہولت اور ترقی کے نام سے ملٹی نیشنل کمپنیاں حکمرانوں اور ڈولٹی ہوئی معیشت میں غیر متوازن آمد و خرچ کے حامل معاشروں میں بہت عیاری و مکاری سے اتار تہی ہیں کہ اس میں ان کمپنیوں کو مستفید ہونے والے تمام اعضاء حکومت کا مکمل تعاون میسر ہوتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی بے مہابا افزائش کے بعد اب حکمرانوں تک تو حصہ رسد ہی پہنچتا ہوگا۔ اب یہ ساری کمائی میڈیا سمیٹ لیتا ہے۔ مذکورہ بالا طول بیانی کا مقصود عرض یہ کرنا ہے کہ من حیث الامہ عموماً اور من حیث الباکستانی خصوصاً ہم جن نعمتوں کے حصول کی کوشش کرتے ہیں لیکن نعمتیں عطا ہونے کے بعد ان کا شکر ادا کرنے کی بجائے غیر میسر نعمتوں کے لیے تگ و دو شروع کر دیتے ہیں اور افسوس ناک امر یہ ہے کہ سب نعمتوں کو الا ماشاء اللہ ہم عطاء رب کریم کی بجائے اپنی صلاحیت، محنت اور دولت کو..... عادت شکر نہ ہونے کی بنا پر..... اکثر غیر شعوری طور پر اور بعض خیالات دینیہ سے محروم افراد شعوری طور پر اپنی کاوشوں کا نتیجہ سمجھنے لگ جاتے ہیں اور یہی وہ سبب ہے جو انہی نعمتوں کو آزمائش بن جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

تفسیر سورہ ق

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

قرآن کی نظیر ناممکن ہے:

قرآن کی عظمت شان کا یہ پہلو بھی آج تک، بلکہ قیامت تک قائم رہے گا۔ جسے قرآن پاک نے تحدی اور چیلنج کے طور پر فرمایا ہے کہ تمام جن و انس مل کر بھی قرآن پاک جیسی کتاب نہیں لاسکتے۔

[الاسراء: ۸۸]

قرآن مجید جیسی کتاب لانا تو کجا، وہ ایک سورت بھی نہیں لاسکتے، چناں چہ فرمایا:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝﴾ [البقرة: ۲۳]

”اگر تمہیں اس چیز کے بارے میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے، تو لاؤ اس کی مانند کوئی سورت اور بلاؤ اپنے حمایتیوں کو بھی اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔“ یہی بات اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں بھی فرمائی ہے:

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝﴾ [یونس: ۳۸]

”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو خود بنا لیا ہے۔ کہو، اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورت اس جیسی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہو بلاؤ۔“

تاریخ واقعات شاہد ہیں کہ اس چیلنج کو مخاطبین نے اپنے تمام تر دعویٰ فصاحت و بلاغت کے باوجود قبول نہیں کیا، انہوں نے اس کی بجائے کٹھن راہ اختیار کی، قرآن مجید اور اس کی دعوت کو ختم کرنے کے

لیے انہوں نے اپنے مال، جان اور اولاد کی قربانی دی۔ بدر، احد، احزاب کے معرکے لڑے۔ مگر وہ قرآن مجید کے مقابلے میں ایک سورت بھی نہ بنا سکے۔

شعراء عرب میں ایک نامور شاعر لبید بھی ہے، کہتے ہیں کہ اس کے ایک شعر پر سوق عکاظ میں تمام شعراء نے اس کو سجدہ کیا تھا، اور عرب کی روایات کے مطابق اعزاز کے طور پر اس کا قصیدہ بیت اللہ میں آویزاں کیا گیا۔ فرزدق نے ایک آدمی سے لبید کا شعر سنا، تو وہ اپنے گھوڑے سے اتر اور سجدہ میں گر گیا، مگر یہی لبید جب مسلمان ہوا، بلکہ شرف صحبت نبوی سے فیض یاب ہوا تو شعر کہنا چھوڑ دیا۔ جو شاعر، ملک الشعراء اور مسجود الشعراء ہو، اور عرب کی فصاحت و بلاغت کا مظہر کامل ہو، اس کا یوں شعر گوئی ترک کر دینا تعجب کا باعث بنا، لوگوں نے پوچھا کہ شعر کیوں نہیں کہتے تو انہوں نے فرمایا: ابعد القرآن، کہ کیا قرآن کے بعد بھی اس کی گنجائش ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عامل کوفہ کو لکھ بھیجا کہ لبید سے کہو کہ اسلام لانے کے بعد آپ نے جو اشعار کہے ہیں وہ کیا ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: اشعار کے بدلے اللہ نے مجھے سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران دی ہیں۔ [الشعر والشعراء، الاصابہ]

اس عظیم شاعر اور فصاحت و بلاغت کے امام کا قرآن پاک کے اعجاز و بلاغت کا یوں اعتراف اور اظہار اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عرب کی فصاحت و بلاغت نے قرآن پاک کے اعجاز اور اس کی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔

شعراء سب سے معلقہ میں امراء القیس وہ شاعر تھا جس کا قصیدہ نزول قرآن کے بعد بھی بیت اللہ میں آویزاں رہا اور اس کی بہن نے اسے اتارنے سے انکار کر دیا، مگر جب اس نے قرآن مجید کی طوفان

نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ آیت سنی:

﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكَ وَيَسْمَأْ أَفْلَحِي وَغِيصَ الْمَاءُ﴾ [ہود: ۴۴]

”اور کہا گیا: اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان برسنے سے بھگم جا، اور خشک ہو گیا پانی۔“
تو اس نے اپنے بھائی کا قصیدہ بھی اتار دیا۔

[اعجاز القرآن، مصطفیٰ صادق الرفعی، ص: ۲۰۴]

ابن راوندی، جس کا نام احمد بن یحییٰ ابوالحسن التوتنی ۲۹۳ھ، معزلی تھا، پھر رافضی بنا اور اس سے بڑھ کر الحاد و زندقہ کی وادیوں میں چلا گیا، اسلام کی تردید میں کتابیں لکھتا اور اس کے عوض یہودیوں سے مال و زر وصول کرتا، مشہور معزلی ابوعلی جبائی سے بغداد کے پل پر ابن راوندی کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: قرآن کے مقابلے میں جو کچھ لکھا ہے اس میں سے کچھ سنو گے، جبائی نے کہا میں تیرے شرمناک علوم سے واقف ہوں، اے ابن راوندی میں تم کو ہی منصف تسلیم کرتا ہوں، بتلاؤ
(هَلْ تَجِدُ فِي مُعَارَضَتِكَ لَهُ عَذُوبَةً وَهَشَا شَةً وَتَشَاكُلًا وَتَلَاوُمًا وَنَظْمًا كُنْظِمِهِ وَحَلَاوَةً؟ قَالَ لَا وَاللَّهِ - قَالَ قَدْ كَفَيْتَنِي فَأَنْصَرِفْ حَيْثُ شِئْتَ)

[اعجاز القرآن للرافعی، ص: ۲۰۷]

”کیا تم اپنے قرآن میں وہ مٹھاس، بشارت و نرمی، موافقت، درستی اور نظم پاتے ہو جو نظم اور شیرینی قرآن میں ہے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم ہرگز نہیں، جبائی نے کہا تم نے فیصلہ کر دیا اب جہاں جاتے ہو جاؤ۔“

یہ اور اس نوعیت کے دوسرے واقعات قرآن مجید کے اس اعجاز اور اس کی عظمت کی دلیل ہیں، اس کی اندرونی شہادتیں اس پر مستزاد ہیں۔ مگر اس کی تفصیل اور قرآنی اعجازات کا استیعاب یہاں مقصود نہیں، بلکہ مقصد قرآن مجید کی بزرگی و عظمت کے چند پہلوؤں کی طرف اشارہ تھا، جس کی یہاں قسم کھائی گئی ہے۔

قرآن مجید کی یہ قسم کہ ﴿وَالْقُرْآنُ الْمَجِيدُ﴾ قرآن مجید کی قسم ہے، یہ قسم کس بات پر کھائی گئی ہے، اس کا مقسم علیہ محذوف ہے اور وہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں یعنی فرمایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی قسم محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور ان کی رسالت کا انکار بلا دلیل ہے، جیسا کہ سورۃ یٰسین میں فرمایا ہے:

﴿يَس ۝ وَالْقُرْآنُ الْحَكِيمُ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾
”قرآن حکیم کی قسم، بے شک آپ رسولوں میں سے ایک

رسول ہیں۔“ [یس: ۱-۳]

سورۃ ص میں بھی فرمایا گیا ہے:

﴿ص وَالْقُرْآنُ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزِّهِمْ وَشِقَاقٍ ۝ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَآدُوا وَلَا تَ حِينَ مِّنَاصٍ ۝ وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكَاذِبُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ۝﴾ [ص: ۱-۴]

”قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی، بلکہ یہی لوگ جنہوں نے ماننے سے انکار کیا ہے، سخت تکبر اور ضد میں مبتلا ہیں ان سے پہلے ہم ایسی کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ (جب ان پر عذاب آیا تو) وہ چیخ اٹھے، مگر وہ وقت بچنے کا نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کو اسی بات پر بڑا تعجب ہوا کہ ایک ڈرانے والا خود انہی میں سے آگیا اور منکرین کہنے لگے کہ یہ ساحر ہے سخت جھوٹا ہے۔“

امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں قسم عذۃ و شقاق میں ہے، اور یہ تکبر اور ضد رسول اللہ ﷺ کے انکار پر مبنی ہے جن کے رسول بنائے جانے پر وہ تعجب کا اظہار کرتے تھے۔

بعض نے کہا ہے کہ جواب قسم یہ ہے کہ ”قیامت آنے والی ہے“ جیسا کہ بعد کی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

سورۃ طہ میں بھی ہے:

﴿وَالطُّورِ ۝ وَكِتَابٍ مُّسْطُورٍ ۝ فِي رَقٍّ مَنْشُورٍ ۝﴾

جیسے: ص، ن، ق۔ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حروف بھی بطور قسم ہیں۔

②..... کبھی قسم دو چیزوں کی کھائی ہے، جیسے: ﴿وَالصُّحٰی﴾ وَاللَّیْلِ إِذَا سَجٰی ﴿اور ﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ اور بعض حروف مقطعات بھی دو حرفوں کا مجموعہ ہیں۔ جیسے: طس، یس، حم۔

③..... کبھی قسم تین چیزوں کی کھائی ہے، جیسے: ﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا﴾ وَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا ﴿فَالتَّالِيَاتِ ذِكْرًا﴾ اور بعض حروف مقطعات بھی تین حرفی ہیں، جیسے: الت، طسم، الر۔

④..... کبھی قسم چار چیزوں کی کھائی، جیسے سورۃ الذاریات میں ہے: ﴿وَالذَّارِيَاتِ ذُرْوًا﴾ ﴿فَالْحَامِلَاتِ وُفْرًا﴾ ﴿فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا﴾ ﴿فَالْمُقْسِمَاتِ أَمْرًا﴾ اور بعض حروف مقطعات بھی چار حرفی ہیں، جیسے: التمس، التمر۔

⑤..... کبھی قسم پانچ امور کی کھائی ہے۔ اور بعض حروف مقطعات بھی پانچ حرفی ہیں۔ جیسے: تہی، عص، حم، عسق۔ بلکہ سورۃ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا﴾ کے علاوہ کسی جگہ بھی پانچ امور سے زائد قسم نہیں، اور نہ ہی پانچ سے زائد حروف مقطعات ہیں۔



وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۝ وَالسَّكْفِ الْمَرْفُوعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ۝ [الطور: ۱-۸]

”قسم ہے طور کی اور ایسی کتاب کی، جو رقیق جلد میں لکھی ہوئی ہے، اور آباد گھر کی اور اونچی چھت کی اور موجزن سمندر کی کہ تیرے رب کا عذاب ضرور آنے والا ہے۔ جسے کوئی دور کرنے والا نہیں۔“

یہاں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا ہے کہ تیرے رب کا عذاب ضرور آنے والا ہے، اور اس عذاب سے مراد قیامت ہے۔ اسی طرح سورۃ ق میں بھی جواب قسم یہ ہے قیامت آنے والی ہے، بلکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جواب قسم اثبات النبوة واثبات المعاد نبوت اور قیامت دونوں کا اثبات ہے۔

یہاں یہ لطیف بات بھی پیش نظر رہے، جس کی طرف امام رازی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید میں قسم کا اسلوب مختلف انداز پر ہے، جس کی تفصیل بادی تفریہ یوں ہے:

①..... کبھی اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کی قسم کھائی ہے، جیسے: ﴿وَالْعَصْرِ﴾ اور ﴿وَالنَّجْمِ﴾ میں ہے، جیسے حروف مقطعات ایک حرفی ہیں،

تعاونوا علی البر والتقویٰ

احباب جانتے ہیں کہ رسائل و جرائد خصوصاً دینی لٹریچر ایک مخصوص اور دین سے لگاؤ رکھنے والا طبقہ رغبت سے پڑھتا ہے۔ ہفت روزہ الاعتصام مسلک اہل حدیث کا پاکستان میں دیرینہ ترجمان ہے۔ کاغذ، پرنٹنگ، طباعت، فولڈنگ، کمپوزنگ اس کے مستقل اخراجات ہیں۔ مخیر احباب ان اخراجات میں اپنا مال صدقہ جاریہ کے ضمن میں ارسال کر کے ادارے کے مدد و معاون بن سکتے ہیں۔

اللہ کریم ضرور انہیں اجر عظیم سے نوازے گا۔ ان شاء اللہ
تعاون ارسال کرتے وقت واپسی پتا، فون نمبر ضرور لکھیں تاکہ رسید ارسال کی جاسکتے۔

ہفت روزہ الاعتصام 31۔ شیش محل روڈ لاہور 54000۔ فون نمبر: 042-37354406

توفیق البخاری

”الادب المفرد“ للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات و فوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکول ٹالامار باغ۔ لاہور)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں فقر سے اور قلت سے اور ذلت سے اور میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔“

۷۰۰. عن أبي أُمامة قال: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَدَعَا بِدُعَاءٍ كَثِيرٍ لَا نَحْفَظُهُ، فَقُلْنَا: دَعَوْتَ بِدُعَاءٍ لَا نَحْفَظُهُ فَقَالَ: ((سَأْبِتُكُمْ بِشَيْءٍ يَجْمَعُ ذَلِكَ كُلُّهُ لَكُمْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مِمَّا سَأَلَكَ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ، وَنَسْتَعِيْذُكَ مِمَّا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ..... اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)) اَوْ كَمَا قَالَ. [ضعيف]

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے بہت سی دعائیں کیں جو ہمیں یاد نہ ہو سکیں۔ ہم نے عرض کیا آپ نے ایسی دعائیں فرمائی ہیں جن کو ہم یاد نہیں کر سکتے تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو ایسی دعا بتائے دیتا ہوں جس میں یہ سب دعائیں شامل ہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے ان سب باتوں کا سوال کرتا ہوں جس کے لیے تیرے نبی محمد ﷺ نے تجھ سے سوال کیا۔ ہم آپ سے تیری پناہ ہر اس چیز سے مانگتے ہیں جس سے تیرے نبی محمد ﷺ نے پناہ مانگی تھی۔ اے اللہ! تو ہی وہ ذات ہے جس سے مدد طلب کی جاسکتی ہے اور تجھ ہی تک ہماری رسائی ہے اور گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔“ یا کچھ ایسے ہی کہا۔

۷۰۱. عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، قال:

۶۹۷. عن عبد الله بن أبي أوفى، أن النبي ﷺ كَانَ يَقُولُ: ((اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِيْ بِالثَّلَجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ كَمَا يُطَهَّرُ الثُّوْبُ الدَّنَسُ مِنَ الْوَسَخِ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءُ السَّمَاءِ وَمِلْءُ الْاَرْضِ وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ.)) [صحيح سنن النسائي]

”عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے، اے اللہ! مجھے پاک کرا لو (کے پانی سے) اور ٹھنڈے پانی سے جیسے کپڑے کو صاف کیا جاتا ہے میل سے۔ اے پروردگار! تیری ہی حمد ہے آسمان و زمین کے بھرنے کے برابر اس کے بعد جو تو چاہے ان سب کے برابر بھر دے۔“

۶۹۸. عن أنس، أن النبي ﷺ كَانَ يَكْثُرُ أَنْ يَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: ((اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.)) قَالَ شُعْبَةُ فذَكَرْتُهُ لِعُبَادَةَ فَقَالَ: كَانَ أَنَسٌ يَدْعُو بِهِ، وَلَمْ يَرَفَعُهُ. [صحيح البخارى]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کثرت سے یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور عذابِ جہنم سے محفوظ رکھ۔“

شعبہ کہتے ہیں میں نے یہ حدیث عبادہ کے سامنے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی یہ دعا کیا کرتے تھے مگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مرفوع بیان نہیں کیا۔“

۶۹۹. عن أبي هريرة كان النبي ﷺ يَقُولُ: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْفَقْلَةِ وَالذِّلَّةِ، وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُظْلَمَ اَوْ اُظْلَمَ.)) [صحيح]

سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ))

”حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فتنہ مسیح دجال سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب جہنم سے۔“ [حسن صحیح]

۷۰۲. عَنْ سَعِيدِ قَالَ: كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ قِنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْهِ، وَاخْلُفْ عَلَيَّ كُلَّ غَايَةِ بِخَيْرٍ. [ضعيف موقوفا]

”حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس یہ دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! جو تو نے مجھے رزق دیا ہے اس پر مجھے قناعت نصیب فرما اور اس میں میرے لیے برکت فرما ہر وہ چیز جو مجھ سے غائب ہے بھلائی کی اس کو خلف بنا کر حفاظت فرما۔“

۷۰۳. عَنْ اُنْسٍ قَالَ: كَانَ اَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ: ((اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً، وَرَقْنَا عَذَابَ النَّارِ)) [صحیح بخاری]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کثرت سے یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! ہم کو دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔“

۷۰۴. عَنْ اُنْسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكْثِرُ اَنْ يَقُولَ: ((اَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰی دِيْنِكَ.)) [صحیح]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بھی کثرت سے کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔“

۷۰۵. عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، اَنْهُ كَانَ يَدْعُو: ((اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ، وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، اَللّٰهُمَّ

طَهِّرْنِيْ بِالْبَرْدِ وَالتَّلَجِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ، اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِيْ مِنَ الدُّنُوْبِ وَنَقِّنِيْ كَمَا يُنْقَى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ.)) [صحیح]

”عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے جس سے آسمان بھر جائے اور زمین بھر جائے اور اس چیز کو بھر دے جس کو تو چاہے۔ اے اللہ تو پاک ہے! اولوں سے برف اور ٹھنڈے پانی سے اے اللہ! مجھ کو گناہوں سے پاک کر دے اور صاف کر دے جس طرح کہ سفید کپڑا میل سے صاف ہو جاتا ہے۔“

۷۰۶. عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَفُجَاةِ نِقْمَتِكَ، وَجَمِيعِ سَخَطِكَ)) [صحیح]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں تیری نعمت کے زوال سے اور تیری عافیت کے بدل جانے سے تیری اچانک گرفت سے اور تیری ہر قسم کی ناراضگی سے۔“

فائدہ: دعوات ماثورہ میں مستقل کتابیں مدوّن ہیں جیسے اذکار نووی، حصین اور سلاح المؤمن۔ سب سے زیادہ جامع اکمل اس باب میں کتاب نزل الابرار ہے جو قسطنطنیہ میں طبع ہو کر مطبوع طبائع اہل و ذکر دعا ہو چکی ہے و مختصرات میں حزب اعظم بغایت مجمع ہے۔ جماعت صحابہ نے ادعیہ مختلفہ حضرت سے روایت کیے ہیں یہ دلیل ہے اس بات پر کہ حضرت فقط کسی ایک دعائے خاص اور ورد مخصوص پر قصر نہ کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً مطابق حاجات یا اسباب یا احوال دعا کرتے جس نے جون سی دعاسنی وہ روایت کی پھر جب وہ سب ادعیہ مدوّن ہو گئیں تو معلوم ہوا کہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جو حضرت سے فوت ہو گئی ہو طلب خیر ہو یا دفع شر پھر بعض علماء و صلحاء نے خود الفاظ دعا کے جمع کیے ہیں اس میں کچھ برائی نہیں ہے جب تک کہ شرک و بدع سے پاک ہوں لیکن ماثورہ پھر ماثورہ ہیں۔ [نواب صاحب]

احادیث فضیلت شب براءت اور امام البانی رحمہ اللہ

محمد خبیب احمد (ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد)

دوسرا شاہد: حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما:

محدث کبیر البانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

ابن لہیعۃ حدثنا حبی بن عبد اللہ عن أبی عبد الرحمن الحبلی عن عبد الله بن عمرو مرفوعاً بیان کرتے ہیں:

اس سند کو متابعات اور شواہد میں پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن لہیعۃ لیکن الحدیث ہے اور

اس کے باقی راویان کی توثیق کی گئی ہے۔

حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو لین کہا ہے۔

مگر رشید بن سعد بن حبی نے ابن لہیعۃ کی متابعت کی

ہے۔ جسے امام ابن حیوہ رحمہ اللہ نے ”جزء حدیث“ میں بیان کیا ہے۔

اس لیے یہ حدیث حسن ہے۔

[السلسلة الصحيحة، ج: ۳، ص: ۱۳۶]

ابن لہیعۃ:

امام البانی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ پہلی سند میں ابن لہیعۃ متکلم فیہ

راوی ہیں جن کے بارے میں متقدمین محدثین ہی کے زمانے سے ہنوز

اختلاف چلا آ رہا ہے۔ بعض محدثین نے انہیں مغلطین راویوں میں بھی

شمار کیا ہے اور ان کے اختلاط کے سبب ہی ان کے شاگردوں کی تقسیم

بندی کی ہے۔ یعنی جنہوں نے اختلاط سے قبل سنا ہے ان کی روایت صحیح

تسلیم کی جائے گی اور بعد از اختلاط روایت کرنے والوں کی روایت

ضعیف گردانی جائے گی۔

مگر موصوف اختلاط سے قبل ہی سییء الحفظ تھے۔ اور اختلاط نے

اس کی شدت میں مزید اضافہ کر دیا۔ ان کے اختلاط نے اس وقت زور

پکڑا جب ان کی احادیث کی کتب جل گئیں اور یہ پھر اپنے حافظے سے

احادیث بیان کرنے لگے۔ ان کے اس اختلاط کو حافظ ابن حبان رحمہ اللہ

وغیرہ نے تدلیس سے بھی تعبیر کیا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو

بنیادی اسباب تھے جس بنا پر یہ غلطی کرتے تھے ایک تو ان کا سییء الحفظ

(برے حافظے والا) ہونا اور دوسرا روایت و سماع حدیث کے معاملے میں

بے اعتنائی کا مظاہرہ کرنا۔

ضعف کا پہلا سبب: سوء حفظ:

ان کے سییء الحفظ ہونے کے بنا پر ہی حافظ البوزرعہ الرازی رحمہ اللہ

نے انہیں ردی الحفظ قرار دیا ہے۔

[سؤالات البرذعی، ج: ۲، ص: ۳۴۶]

ایک اور مقام پر فرمایا: اس کا اوّل و آخر برابر ہے باستثنائے

عبداللہ بن المبارک اور عبداللہ بن وہب۔

[الجرح والتعديل، ج: ۵، ص: ۱۴۷]

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان کا اختلاط ایسا نہ تھا کہ انہیں

بالکل ہی معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ یہ احادیث میری ہیں یا نہیں، اسی لیے تو

ابن لہیعۃ کے ثقہ شاگرد ابوالاسود کا بیان ہے کہ انہیں آخری عمر تک

بھی اختلاط نہیں ہوا تھا۔ [معرفة الرجال لابن معین رواية ابن محرز،

ص: ۱۰۰، رقم: ۱۳۴، ۴۳۸، ۱۰۱۲]

اور یہی شاگرد ابن لہیعۃ کے شیوخ کی روایات کے ساتھ دیگر

راویوں کی روایت ملا دیتے اور ابن لہیعۃ انہیں اسی طرح پڑھ دیتے۔

[الكامل لابن عدی، ج: ۴، ص: ۱۴۶۲]

بلکہ اس دعویٰ کی تائید خود ابن لہیعۃ کے اپنے قول سے ہوتی

ہے کہ

”ولو سألوני لأخبرتهم أن ذلك ليس من

حدیثی۔ [الطبقات الكبرى لابن سعد، ج: ۷، ص: ۵۱۶]

”اگر میرے شاگرد مجھ سے حدیث کی بابت سوال کریں تو میں انہیں بتاؤں گا کہ یہ میری حدیثیں نہیں ہیں۔“ اور کبھی سوء حفظ کی بنا پر اقرار کرتے کہ یہ میری ہی حدیثیں ہیں، جس کی تفصیل ”دوسرے سبب“ میں آرہی ہے۔

ان کے سبب سوء حفظ ہونے کی بنا پر ہی امام ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ابن لہیعہ کے متقدمین اور متاخرین شاگردوں کا سماع یکساں ہے۔ [سؤالات ابن الجندی، ص: ۳۹۳]

ایک اور جگہ یوں تنقید کی: یس بشیٰ خواہ اسے تغیر ہوا ہو یا نہ ہو۔ [سؤالات ابن طہمان، ص: ۱۰۸]

ابن لہیعہ کے اہل علاقہ یعنی مصری حضرات نے بھی اس بات کی گواہی دی کہ اسے اختلاط نہیں ہوا تھا اس کا اوّل و آخر معاملہ یکساں تھا۔ [الطبقات الكبرى لابن سعد، ج: ۷، ص: ۵۱۶]

مگر حافظ العلاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاط سے قبل ہی متکلم فیہ تھا اور اختلاط نے اس کے ضعف کو اور زیادہ کر دیا۔ [کتاب المختلطین للعلاء، ص: ۳۔ بحوالہ: اثر اختلاف الأسانید والمتون فی اختلاف الفقہاء للدکتور ماهر یاسین فحل، ص: ۳۳]

”ابن لہیعہ وہو سیء الحفظ إلا فی روایۃ العبادۃ۔“ [اثر علل الحدیث فی اختلاف الفقہاء، ص: ۸۱ حاشیہ]

دوسرا سبب: روایت اور سماع حدیث میں تساہل:

ابن لہیعہ پر دوسری قابل اعتماد اور مفسر جرح یہ ہے کہ یہ روایت اور سماع حدیث میں تساہل کا مظاہرہ کرتے تھے۔ لوگ احادیث خلط ملط کر کے انہیں تھما دیتے اور موصوف انہیں اپنی سند سے بیان کر دیتے تھے۔ یعنی اس کی پرواہ کیے بغیر کہ یہ احادیث میں نے اپنے شیوخ سے سنی بھی ہیں یا نہیں۔ اور جب ان پر اعتراض کیا جاتا کہ یہ حدیثیں تو آپ کی نہیں! فرماتے کیوں نہیں یہ میری تو ہیں۔ اور کبھی لوگ

ان پر احادیث کی قراءت کرتے تو یہ خاموشی سے انہیں سنتے اور پھر اس کی روایت کی اجازت دیتے تھے جب ان سے استفسار کیا جاتا تو فرماتے جب لوگ مجھ سے ان احادیث کی بابت سوال کریں گے تو میں انہیں بتاؤں گا کہ یہ میری حدیثیں نہیں ہیں مگر وہ مجھ سے پوچھتے نہیں اور میں بھی خاموش رہتا ہوں۔

اسی حقیقت کو شیخ الاسلام امام بخاری رحمہ اللہ نے امام قتیبہ بن سعید سے یوں نقل کیا ہے کہ ”رشدین (بن سعد) اور ابن لہیعہ کو حدیث کی جو کتاب دی جاتی تھی وہ دونوں لا پرواہی میں اس کی قراءت شروع کر دیتے تھے۔“ [التاریخ الاوسط للبخاری، ج: ۴، ص: ۷۸۰، رقم: ۱۲۲۷]

امام قتیبہ کا یہی قول حافظ ابن حبان نے بھی المجروحین [ج: ۱، ص: ۳۰۳] میں نقل کیا ہے۔

امام ابوداؤد صاحب السنن رحمہ اللہ [سؤالات ابی داؤد للإمام احمد، ص: ۲۴۶، رقم: ۲۵۶] نے امام احمد رحمہ اللہ سے اور حافظ عقیلی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ”ابن لہیعہ کی کتب جلنے کے بعد لوگ ان کے پاس لوگوں کی کتابیں لاتے اور ابن لہیعہ (بے پرواہی میں) انہیں پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔“

[الضعفاء الکبیر للعقیلی، ج: ۲، ص: ۲۹۵]

ابن لہیعہ کے اس طرز عمل کی گواہی خود اس کے شہر کے باشندوں نے بھی دی ہے۔ [الطبقات الكبرى لابن سعد، ج: ۷، ص: ۵۱۶]

بلکہ ابن لہیعہ کے مصری شاگرد سعید بن ابی مریم، جنہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ثقہ ثبت فقیہ قرار دیا ہے۔ [التقریب: ۲۵۲۴]، کا بیان ہے کہ میں نے ابن لہیعہ کی اواخر عمر میں بربری قبیلہ کو دیکھا کہ وہ عراقی راویوں کی احادیث ابن لہیعہ پر پیش کر رہے اور ابن لہیعہ ان کی موافقت کر رہے ہیں۔ میں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن..... کنیت ابن لہیعہ..... یہ احادیث آپ کی تو نہیں۔ جواب دیا: کیوں نہیں! یہ میرے کانوں سے نکرائی ہیں۔ [الجرح والتعذیل، ج: ۵، ص: ۱۴۶۔ الکامل لابن عدی، ج: ۴، ص: ۱۴۶۲]

دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں: ابن لہیعہ کے بارے میں رائج یہ ہے کہ عبادلہ کی روایت کی صورت میں اعتبار کیا جائے گا مگر ان کی ابن لہیعہ سے روایات سے احتجاج نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ خود ابن لہیعہ کا ضعیف ہونا ہے۔ [معجم المدلسین، ص: ۵۰۵، ترجمہ یعقوب بن عطاء]

نیز شیخ موصوف نے یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ شیخ طارق بن عوض اللہ نے اپنی کتاب ”النقد البناء فی تخریج حدیث أسماء فی کشف الوجه والکفین للنساء“ میں ابن لہیعہ کے بارے میں مذکورہ بالا نتیجہ ذکر کیا ہے۔ [معجم المدلسین]

شیخ طارق نے فرمایا ہے: ابن لہیعہ مطلق طور پر ضعیف ہے۔ [حاشیہ المنتخب للعلل للخلال، ص: ۲۴۹]

ابن لہیعہ کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے تحقیق و تعلیق النفع الشذی فی شرح الترمذی للذکور احمد معبد عبد الکرم (ج: ۲، ص: ۷۹۴-۸۶۳) اور التذیل علی تہذیب التہذیب للشیخ محمد بن طلعت (ص: ۲۱۳-۲۲۱) وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت والی روایت بھی ابن لہیعہ سے عبادلہ میں سے کوئی بھی روایت نہیں کرتے۔ اس لیے ابن لہیعہ کی روایت بطور اعتبار بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ لہذا یہ روایت ابن لہیعہ کے سببیء الحفظ اور احادیث میں تساہل برتنے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً: ابن لہیعہ اس حدیث کو جی بن عبد اللہ عن ابی عبد الرحمن الحبلی عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں۔ اور حافظ ابن عدی رضی اللہ عنہ نے اسی سند سے متعدد منکر روایات جی بن عبد اللہ شیخ ابن لہیعہ کے ترجمے میں ذکر کی ہیں۔

[الکامل لابن عدی، ج: ۲، ص: ۸۵۵-۸۵۶]

جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جی بن عبد اللہ کی بہ کثرت منکر روایات ہیں اور ان منکرات میں سے ایک منکر روایت ”شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت“ والی بھی ہے۔

اسی طرح ابن لہیعہ کے دوسرے ثقہ شاگرد الضر بن عبد الجبار ابوالاسود کا کہنا ہے کہ ہم ابن لہیعہ کے شیوخ کی روایات کے ساتھ دیگر راویوں کی روایت کو ملا دیتے اور ابن لہیعہ انہیں اسی طرح پڑھ کر بیان کر دیتے۔ [الکامل لابن عدی، ج: ۴، ص: ۱۴۶۲]

اسی طرح کا قول یحییٰ بن حسان التنسیبی البصری (ثقہ، التقریب: ۸۴۸) کا ہے۔ [المجروحین لابن حبان، ج: ۲، ص: ۱۳] ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے انہیں (ابن لہیعہ کو) یہ تمیز نہیں ہو سکتی تھی کہ فلاں روایت میں نے فلاں استاد سے سنی ہے یا نہیں۔ اور آپ کے شاگرد بطور امتحان یہ طرز عمل اختیار کرتے تھے۔ اسی لیے تو امام مسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام عبد الرحمن بن مہدی رضی اللہ عنہ، امام یحییٰ بن سعید القطان رضی اللہ عنہ اور امام کعب بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اسے ترک کر دیا تھا۔ [الکفی والاسماء للامام مسلم، ج: ۱، ص: ۵۱۹، رقم: ۲۰۶۰]

امام ابن مہدی جرح و تعدیل کے معتدل اور امام ابن القطان متشدد امام ہیں۔ اگر یہ دونوں امام کسی راوی کی جرح پر متفق ہو جائیں تو وہ راوی قطعاً ثقہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فمن جرحه لا یکاد واللہ یندمل جرحه .
[ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل للذہبی، ص: ۱۶۷]

”جنہیں یہ دونوں مجروح قرار دیں اللہ کی قسم ان کی جرح دور نہیں ہو سکتی۔“

حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا حافظ سخاوی رضی اللہ عنہ نے بھی اعتبار کیا ہے۔ [المکتلون فی الرجال، ص: ۹۰۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ للسخاوی، ص: ۱۶۴]

اس لیے امام مسلم رضی اللہ عنہ کے قول کی روشنی میں ابن لہیعہ کی حیثیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے چنانچہ شیخ محمد بن طلعت نے تو اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ”ابن لہیعہ ضعیف الحدیث ہیں خواہ ان سے روایت کرنے والا عبادلہ میں سے کوئی ہو یا ان کے علاوہ دیگر راویان حدیث ہوں۔ ہاں، عبادلہ کی روایت دیگر راویان کی نسبت کم ضعیف ہوتی ہے۔“ [معجم المدلسین لمحمد بن طلعت، ص: ۲۹۴ حاشیہ]

امام ابن معین رحمہ اللہ کا دوسرا قول لا یکتب حدیثہ کہ اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ [الجرح والتعذیل، ج: ۳، ص: ۵۱۳]
یہی قول امام ابن نمیر رحمہ اللہ کا ہے۔ [تقدمہ الجرح والتعذیل،

ص: ۳۲۲۔ والجرح والتعذیل، ج: ۳، ص: ۵۱۳]

امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

منکر الحدیث وفيه غفلة ويحدث بالمناكير عن

الثقات ضعيف الحديث . [الجرح والتعذیل، ج: ۳،

ص: ۵۱۳]

”منکر الحدیث ہے۔ غفلت کا شکار رہتا تھا۔ ثقہ راویان حدیث

سے منکر بیان کرتا تھا۔ ضعیف الحدیث ہے۔

امام الجوز جانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

عنده معاضيل ومناكير كثيرة.

[احوال الرجال، رقم: ۲۷۵]

حتی کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے متروک قرار دیا ہے۔

[الضعفاء للنسائی: ۲۱۲]

ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی متروک قرار دیا ہے۔

[التلخیص الحبی، ج: ۱، ص: ۱۵]

اس لیے ایسا راوی کیوں کر کسی کی متابعت کر سکتا ہے اور نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

تیسرا شاہد: حدیث حضرت ابو موسیٰ الاشعری رحمہ اللہ:

امام البانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمہ اللہ کی حدیث ابن لہیعہ عن الزبیر

بن سلیم عن الضحاک بن عبد الرحمن عن ابیہ قال: سمعت

أبا موسى عن النبي ﷺ سے یعنہ روایت کرتے ہیں۔

امام ابن ماجہ (۱۳۹۰)، امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ اور امام

لاکائی رحمہ اللہ نے اس کی تخریج کی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ عبد الرحمن

بن عزرب، جو ضحاک کا والد ہے، مجہول ہے۔ ابن لہیعہ سے روایت

کرنے میں امام ابن ماجہ نے اسے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔“

ثالثاً: اس روایت کو حسن بن موسیٰ نے ابن لہیعہ سے بالکل

آخری دور میں سنا ہے جب لوگ اپنی حدیثوں کو ابن لہیعہ کے سامنے پیش کرتے اور وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر ان کی موافقت کرتے تھے۔

چنانچہ امام العلل وطیبہا علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الحسن بن موسى إنما سمع من ابن لہیعہ بآخره.

”کہ حسن بن موسیٰ نے ابن لہیعہ سے اس کے آخری دور

میں سنا ہے۔“ [مسند الفاروق لابن کثیر، ج: ۲، ص: ۶۴۹]

لیجیے! علی الخبیر سقطت!

لہذا اس کی سند ظلمات بعضها فوق بعض کی عملی تصویر ہونے

کی بنا پر ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔

رشدین کی متابعت کا جائزہ:

امام البانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”رشدین بن سعد بن حییٰ نے ابن لہیعہ کی متابعت کی

ہے۔ لہذا حدیث حسن ہوئی۔“ [الصحيح، ج: ۳، ص: ۱۳۶]

رشدین بن سعد بھی ضعیف راوی ہے بلکہ اس میں ایک علت وہی

تھی جو ابن لہیعہ میں تھی جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام قتیبہ بن

سعيد سے نقل کیا ہے ”کہ رشدین کو جو کتاب دی جاتی وہ اس سے

احادیث بیان کرنا شروع کر دیتے تھے۔“ [التاریخ الکبیر للبخاری،

ج: ۳، ص: ۳۳۷، رقم: ۱۱۴۵۔ الضعفاء الصغیر للبخاری،

ص: ۴۳، رقم: ۱۲۳، تحفه الأقویاء]

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حقیقت کی یوں خبر لی ہے کہ ”وہ ہر

سوال کا جواب دیتے اور جو کچھ انہیں دیا جاتا اسے بیان کر دیتے خواہ ان

کی احادیث ہوں یا نہ ہوں۔“

[المجروحین لابن حبان، ج: ۱، ص: ۳۰۳]

مستزاد یہ کہ رشدین بن سعد ضعیف راوی ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ

فرماتے ہیں:

لیس حدیثہ بشیء. [معرفة الرجال لابن معین رواية ابن

محرز، ص: ۷۶، رقم: ۱۵۔ التاریخ، ج: ۳، ص: ۲۷۶،

رقم: ۱۳۱۸ ج: ۴، ص: ۴۱۴ رواية الدورى]

جاسکتا ہے کہ سند میں اختلاف کا سبب ابن لہیعہ کے علاوہ یہ بھی ہیں۔
راویان حدیث بھی ہو سکتے ہیں چوں کہ ابن لہیعہ پر جرح ان تینوں
مجهول راویوں سے زیادہ ہے اس لیے اس اختلاف کا موجب اسے ہی
قرار دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سند میں انقطاع:

امام البانی کی پیش کردہ سند میں الضحاک بن عبد الرحمن کا "عن
أبيه" کے واسطے سے بیان کرنا اور ولید بن مسلم کی سند سے "عن أبيه"
کے واسطے کے بغیر روایت کرنا بھی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ
الضحاک کا حضرت ابو موسیٰ اشعری سے سماع بھی متیقن نہیں اس لیے یہ
سند منقطع بھی ہے۔ حافظ عراقی نے بھی امام العلیل ابو حاتم کے حوالے
سے نقل کیا ہے کہ الضحاک موصوف کی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
روایت مرسل ہے۔ تحفۃ التحصیل للعراقی (۱۵۴) علامہ مناوی حضرت
ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی اسی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ عراقی رضی اللہ عنہ کا قول
پیش کرتے ہیں کہ الضحاک نے حضرت ابو موسیٰ سے نہیں سنا۔

[فیض القدير للمناوی، ج: ۲، ص: ۲۶۳]

جیسے الضحاک بن عبد الرحمن کی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات
ثابت نہیں اسی طرح "أبيه" کی ملاقات بھی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے
ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن السندی نے حافظ منذر بن علی رضی اللہ عنہ
کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عبد الرحمن بن عزر ب کی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ
سے ملاقات ثابت نہیں۔ [مرعاة المفاتيح، ج: ۴، ص: ۳۴۱]

اور اسی طرح حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے بھی بصیغہ تمریض نشان دہی
کی ہے۔ [اطراف المسند المعتبری، ج: ۷، ص: ۹۶۔ واتحاف المهرة
کلاهما لابن حجر، ج: ۱۰، ص: ۳۲]

یعنی الضحاک بن عبد الرحمن اسے براہ راست حضرت ابو موسیٰ
اشعری رضی اللہ عنہ سے بیان کریں یا اپنے باپ کے واسطے سے بیان کریں ہر دو
صورت میں روایت منقطع ہے۔

مجهول راویان حدیث:

اس عدم سماع کی علت کے علاوہ عبد الرحمن بن عزر ب بھی مجهول
ہے۔ [التقريب: ۴۴۱]

[السلسلة الصحيحة، ج: ۳، ص: ۱۳۶]

یہ حدیث سنن ابن ماجہ کے علاوہ السنن لابن ابی عاصم
(ج: ۱، ص: ۲۲۳، حدیث: ۵۱۰۔ فضائل الاوقات للبيهقي،
ص: ۱۳۳، رقم: ۲۹۔ شرح اصول اعتقاد اهل السنة للالكائي،
ج: ۳، ص: ۲۴۷، حدیث: ۷۶۳۔ العلیل المتناهیة لابن
الجوزی، ج: ۳، ص: ۷۱، حدیث: ۹۲۲۔ تهذيب الكمال
للمزی، ج: ۶، ص: ۲۷۷-۲۷۸، ترجمة: الزبير بن سليم)
وغیرہ میں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح حضرت ابو موسیٰ
اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مرکزی راوی بھی ابن لہیعہ ہیں۔ ہم اوپر
ضروری تفصیل عرض کر آئے ہیں کہ ابن لہیعہ سبیء الحفظ کی جرح
کے ساتھ ساتھ سماع حدیث میں تساہل کی جرح سے بھی مجروح ہیں۔
اسی لیے اس سند میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے۔

دوسری سند میں اختلاف:

پہلی سند تو وہی ہے جسے امام البانی رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔ جب کہ
دوسری سند میں الولید بن مسلم، ابن لہیعہ سے روایت کرتے
ہوئے الزبیر بن سلیم کے بجائے الضحاک بن ایمن کا نام ذکر
کرتے ہیں اور دوسرا فرق یہ ہے کہ وہ اس سند میں "عن أبيه" کا واسطہ
بھی ذکر نہیں کرتے۔ اور ولید بن مسلم کثیر التذلیس والتسوية ہیں۔

[التقريب: ۸۳۹۷]

ان دونوں اسانید کو امام ابن ماجہ رضی اللہ عنہ نے السنن (۱۳۹۰) میں
بیان کیا ہے۔ اور اسی اختلاف کی توضیح امام مزی رضی اللہ عنہ (تہذیب
الکمال، ج: ۲، ص: ۲۷۷-۲۸۷) اور ان کی متابعت میں حافظ ابن
حجر رضی اللہ عنہ (تہذیب التہذیب، ج: ۳، ص: ۳۱۵-۳۱۶) وغیرہ نے
کی ہے۔

اس اختلاف کا سبب ابن لہیعہ ہیں اگرچہ حافظ مزی رضی اللہ عنہ اور
حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر ائمہ نے بھی اس حدیث کے راویوں:
الضحاک بن ایمن، عبد الرحمن بن عزر ب اور الزبیر بن سلیم کے تذکرہ
میں اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا

یہ دونوں نام غیر صحیح ہیں درست نام الزبیر بن سلیم ہے۔ جیسا کہ علامہ مزیؒ نے بھی تہذیب الکمال میں صراحت فرمائی ہے۔

[جاری ہے]



ماہنامہ صدائے ہوش کا مولانا محمد ادریس ہاشمی نمبر

ماہنامہ صدائے ہوش، لاہور نے جماعت غرباء اہل حدیث پنجاب کے سیکرٹری جنرل مولانا محمد ادریس ہاشمیؒ کی حیات و خدمات پر ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ مولانا محمد ادریس ہاشمیؒ ایک متحرک، جماعتی و مسلکی تبلیغی شخصیت تھے۔ اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم سے محبت کرنے والے تھے۔ ۲۵ مئی ۲۰۱۰ء کو وفات پا گئے۔ ایک قلیل وقت میں ادارہ صدائے ہوش اور چیف ایڈیٹر صدائے ہوش جناب محمد رمضان یوسف سلفیؒ کی ذاتی کوشش و توجہ سے ۸۸ صفحات پر مبنی ایک معقول اشاعت کا اہتمام کر کے لائق تحسین کام انجام دیا گیا ہے۔ اس اشاعت میں امام مولانا عبدالرحمن سلفیؒ، مولانا محمد رمضان یوسف سلفیؒ، عبدالعظیم حسن زئیؒ، مولانا عامر نجیبؒ، محمد یوسف نعیمؒ، عبدالرشید عراقیؒ، رقیہ ہاشمی صاحبہؒ، ناصرہ ہاشمی صاحبہؒ، ابوبکر قدوسی و دیگر اہل قلم کی نگارشات شامل ہیں۔ اس کی قیمت چالیس روپے رکھی گئی ہے۔ منگوانے کے لیے درج ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

[دارالحديث جامعہ معاویہ، کے پی ایس روڈ، رحیم ٹاؤن۔ جی ٹی روڈ فیروز والا شاہدرہ۔ لاہور۔ فون: 525-7961756-042]

دعائے صحت کی درخواست

ہمارے جماعتی دوست محترم حمید اللہ خان عزیز صاحب (ایڈیٹر ماہنامہ تفہیم الاسلام احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور) کافی دنوں سے سخت علیل ہیں۔ تمام برادران اسلام اُن کی صحت و تندرستی کے لیے ہر نماز کے ساتھ دعا کریں کہ اللہ احسن الخالق و احکم الحاکمین اُن کو صحت کاملہ و عاجلہ نصیب فرمائے تاکہ وہ اپنے کام اور جماعتی خدمات مزید احسن انداز سے سرانجام دے سکیں۔ [دعا گو: عبدالرحیم اظہر الکری]

اور اس علت کو امام البانیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح الضحاک کا شاگرد اور ابن لہیعہ کا استاد الزبیر بن سلیم بھی مجہول ہے۔

[التقریب: ۲۱۷۹]

امام ذہبیؒ نے فرمایا: شیخ اور شاگرد مجہول ہے۔ ابن لہیعہ کے علاوہ اس کا کوئی شاگرد نہیں۔ [میزان الاعتدال، ج: ۲، ص: ۶۷] الولید بن مسلم کی بیان کردہ سند میں الضحاک بن ایمن الکلی بھی مجہول ہے۔ [التقریب: ۳۲۷۹]

حافظ ذہبیؒ نے لا یدری من ذا؟ کی جرح کی ہے۔

[میزان الاعتدال، ج: ۲، ص: ۳۲۲]

اس لیے یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور اس کا سبب خود ابن لہیعہ ہیں۔ حافظ ابن الجوزیؒ بھی انہیں مورد الزام ٹھہراتے ہوئے فرماتے ہیں:

هذا حديث لا يصح وابن لهيعة ذاهب الحديث.

[العلل المتناهية، ج: ۲، ص: ۷۱، حدیث: ۹۲۲]

حافظ بوصریؒ نے ابن لہیعہ کے ساتھ ولید بن مسلم کی تالیس کو بھی شامل کیا ہے۔ [مصباح الزجاجة، ج: ۱، ص: ۲۴۷، حدیث: ۴۹۳-۴۹۴]

مولانا عبید اللہ رحمانیؒ نے اس کی علت انقطاع کے علاوہ الضحاک بن ایمن الکلی کی جہالت بھی بیان فرمائی ہے۔

[مرعاة المفاتيح، ج: ۴، ص: ۳۴۱]

اس لیے جو روایت اس قبیل سے ہو وہ کیوں کر کسی دوسرے کی مؤید نہ ہو سکتی ہے خصوصاً جس کا مدار ابن لہیعہ جیسے مضطرب الحدیث اور سببیء الحفظ راوی پر ہو۔

تنبیہ:

السید لابن ابی عاصم (ج: ۱، ص: ۲۲۳، حدیث: ۵۱۰) میں ابن لہیعہ کے استاد الزبیر بن سلیم کے بجائے الربیع بن سلیمان اور شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ لاکافی (ج: ۳، ص: ۴۲۷، حدیث: ۷۶۳) میں الزبیر بن سلیمان مذکور ہے۔

زیارتِ قبور کے متعلق شبہات کا ازالہ

ابو تقی مولانا حفیظ الرحمن لکھوی (مدیر جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لاہور)

مولانا حفیظ الرحمن لکھوی رحمۃ اللہ علیہ استاذ پنجاب مولانا عطاء اللہ لکھوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے ہونہار پوتے ہیں جنہوں نے علوم و فنون کی تحصیل میں بچپن اور نوجوانی اس طرح کھپا دی جس طرح کہ حق تھا۔ موصوف اب جماعت کے ان جید علماء میں سے ہیں جنہیں درس نظامی پر مکمل عبور بھی ہے اور اس کا استحضار بھی۔ موصوف لاہور میں جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نام سے علم دین کا نور پھیلارہے ہیں۔ گزشتہ دنوں ان کی ایک کتاب طبع ہوئی اور خوشگوار حیرت ہوئی کہ موصوف زبان و بیان پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔ سال رواں کے شمارہ نمبر ۲۱ میں الاعتصام نے ان کی کتاب سے ایک باب شائع کیا جس پر عزیزم ارشد کمال نے ایسا تعاقب کر دیا کہ جو اگر سوال کی صورت میں ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ تاہم وہ مکتوب مولانا کی نظر سے گزرا تو مولانا نے اپنی رائے کی تائید میں متقدمین ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ دورِ حاضر کے بعض علمائے کرام سے استنباط بھی فرمایا اور درود شریف و مساجد کی فضیلت میں آمدہ آیات و احادیث سے تفصیلاً استنباط فرما کر ہمارے علم میں گراں قدر اضافہ فرمایا ہے۔ اس مضمون کی اشاعت کے بعد اس موضوع پر آئندہ کوئی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ [ادارہ]

مکتوب نگار کے ”ملاحظہ“ کی عبارت میں حسب ذیل اعتراضات وارد کیے گئے ہیں:

①..... قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم، البقیع قبرستان یا دیگر مقابر شہدائے احد کی زیارت پر اس قسم کی فضیلت (یعنی مسجد نبوی اور مسجد قباء جیسی فضیلت) کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

②..... کتاب وسنت میں جس طرح قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شدرحال کے بارہ میں کوئی صحیح دلیل وارد نہیں بالکل اسی طرح البقیع قبرستان اور دیگر مقابر شہدائے احد کے لیے شدرحال کے لیے کوئی صریح دلیل وارد نہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ وہاں زائرین کا ہر قدم لغزشوں کا کفارہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا موجب اور بلندی درجات کا باعث ہے، یہ بھی بلا دلیل ہے۔

الجواب بتوفیق اللہ الوہاب:

ہم سب سے پہلے اس اعتراض کا جواب دیں گے، کہ قبر رسول، مقابر البقیع اور مقابر شہدائے احد کی زیارت کے لیے کسی صریح دلیل سے شدرحال ثابت نہیں۔

مکتوب نگار کے اس اعتراض کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ جن مقامات

الحمد لله ذي الجلال والجمال والكمال والصلاة والسلام على نبيه الهادي الى سبيل الرشاد بإذن ربه كل ضالٍ والتابعين لهم بإحسان إلى يوم تقوم الساعة فيه لوزن الاعمال: وبعد!

گزشتہ ماہ بحمد اللہ میری ایک نئی تصنیف ”مناسک حج و عمرہ“ منصفہ شہود پر آئی تو میں نے اس کے دو نسخے ہفت روزہ الاعتصام لاہور کو ارسال کیے۔ ایک محترم و مکرم حافظ احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی مطالعہ کے لیے اور دوسرا ان کی لائبریری دارالعوام السلفیہ کے لیے۔ لیکن مدیر الاعتصام جناب عصمت اللہ قلعوی صاحب نے میری اس کتاب سے میری اجازت کے بغیر اس کا ایک باب ”مدینۃ الرسول کی مختصر تاریخ“ شائع کر دیا۔ ادھر ارشد کمال صاحب نے یہ کمال دکھایا کہ بغیر تحقیق اس پر بے جا اعتراض لگا کر ایک مکتوب ہفت روزہ الاعتصام کو لکھ بھیجا جسے دوسری زیادتی کے طور پر جناب قلعوی صاحب نے مجھ سے اس کی وضاحت طلب کیے بغیر شائع کر دیا۔ ^{*} اگرچہ یہ شبہات کوئی ایسے نہ تھے کہ میں ان کی طرف توجہ کرتا مگر دوست و احباب کے اصرار پر میں نے ان شبہات و مغالطات کا جواب دینے کا ارادہ کر لیا، جو حاضر خدمت ہے:

☆ ارشد کمال صاحب کا خط مولانا لکھوی صاحب سے وضاحت کے لیے ہی شائع کیا تھا۔ (ع-۱)

بعد مسجد نبوی کی زیارت کے ضمن میں قبر رسول ﷺ اور دیگر مقامات کی زیارت کرنے والے زائرین کو مذکورہ مقامات کی زیارت کے اجر و ثواب سے محروم فرما رہے ہیں:

﴿تِلْكَ إِذَا قَسَمْتُ ضِيَايَ﴾

مکتوب نگار کے اس طرز عمل کے بارہ میں مجموع فتاویٰ جلد نمبر ۱۶ صفحہ ۵۳ پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

وَمَنْ سَافَرَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَوْ الْأَقْصَىٰ أَوْ مَسْجِدِ الرَّسُولِ ﷺ فَصَلَّىٰ فِي مَسْجِدِهِ وَصَلَّىٰ فِي مَسْجِدِ قُبَاءَ وَزَارَ الْقُبُورَ (قُبُورَ بَقِيعٍ وَشَهَدَاءِ أَحَدٍ كَمَا هُوَ الْمَعْرُوفُ) فَهَذَا هُوَ الَّذِي عَمِلَ الْعَمَلُ الصَّالِحَ وَمَنْ أَنْكَرَ هَذَا السَّفَرُ فَهُوَ كَافِرٌ يُسْتَتَابُ فَإِنْ تَابَ وَالَّا قُتِلَ .

”جس شخص نے مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ یا مسجد رسول اللہ ﷺ کے لیے سفر کیا پھر اس نے آپ ﷺ کی مسجد میں نماز ادا کی اور مسجد قباء میں بھی نماز ادا کی اور قبروں کی بھی زیارت کی پس یہ وہ شخص ہے جس نے نیک عمل کیا ہے اور جو کوئی اس سفر کا انکار کرے پس وہ کافر ہے اس سے توبہ طلب کی جائے گی پس اگر وہ توبہ کرے تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔“

زیارت قبور کے بارہ میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف:

الجواب الباہر فی زوار المقابر کے اردو ترجمہ ”روضہ رسول ﷺ کی زیارت“ کے صفحہ ۴۸ پر مرقوم ہے:

”انبیائے کرام صالحین امت ﷺ اور دیگر افراد کی قبروں کی زیارت کی شرعی حیثیت مسلم ہے بلکہ ہم نے زیارت قبور کو مستحب قرار دیا ہے اور خود رسول اللہ ﷺ جنت البقیع اور شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔“ اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ پر یوں مرقوم ہے۔

”رہی مسجد قباء کی زیارت تو جو شخص مدینہ منورہ جائے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ مسجد قباء میں جا کر دو رکعت ادا کرے نیز جنت البقیع، شہدائے احد کی قبروں پر بھی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔“

کے لیے شد رحال ہی نہیں تو ان کی زیارت کیسے؟ اور جب زیارت ہی نہیں تو بیان کردہ اجر و ثواب کیسے؟

تو اس کے جواب میں مکتوب نگار سے گزارش ہے کہ ان کا یہ مفروضہ کہ جن مقامات کے لیے شد رحال جائز نہیں ان کی زیارت مشروع نہیں، سراسر غلط اور مذکورہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے احکام و مسائل اور آداب سے ناواقفیت کا غماز ہے۔ وہ اس لیے کہ مکتوب نگار کو معلوم ہونا چاہیے کہ بعض مقامات مقدسہ ایسے ہیں جن کی زیارت کے لیے دور دراز سے براہ راست شد رحال جائز ہے جیسا کہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ مگر بعض مقامات ایسے بھی ہیں جن کی زیارت کے لیے براہ راست شد رحال تو جائز نہیں مگر ان کی زیارت کسی دوسرے مقام کی طرف شد رحال کرنے کے بعد اس کی متابعت میں ان کی زیارت صرف جائز ہی نہیں بلکہ مسنون بھی ہے، جیسا کہ قبر رسول اللہ اور مقابر بقیع و شہدائے احد۔

مثلاً ایک شخص مسجد نبوی کی زیارت کے لیے اپنے وطن سے شد رحال کرتا ہے اور پھر مدینہ میں حاضر ہو کر مسجد نبوی کی زیارت سے فیض یاب ہوتا ہے بعد ازاں وہ زیارت مسجد نبوی کے ضمن میں قبر رسول، مقابر بقیع اور شہدائے احد کی زیارت بھی کر لیتا ہے تو یہ علمائے حدیث کے نزدیک بالکل جائز ہے، یعنی قبر رسول ﷺ کی زیارت مستحب اور باقی مقابر کی سنت۔

لہذا میری گزارش ہے کہ اگر مکتوب نگار صاحب کو مسائل زیارت کا صحیح علم نہیں تھا تو انہیں میرے مضمون پر نقد وارد کرنے کی سعی لا حاصل نہ کرنی چاہیے تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾

”جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہو جاؤ۔“

نیز یہ ارشاد بھی ہے:

﴿فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

مکتوب نگار ایک طرف تو مجھے ﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ فرما کر وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں مگر دوسری جانب وہ ہر سال مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی زیارت کے لیے شد رحال کرنے کے

زیارت قبور کے بارہ میں ساحتہ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ کا موقف:

مجموعہ فتاویٰ جلد نمبر ۶ صفحہ ۱۱۱ اور ۱۱۲ پر شیخ فرماتے ہیں:

أَمَّا الْبَعِيدُ عَنِ الْمَدِينَةِ فَلَيْسَ لَهُ شَكُّ رَحْلِهِ بِقَصْدِ
زِيَارَةِ الْقَبْرِ وَلَكِنْ يُسْنُّ لَهُ شَكُّ رَحْلِهِ بِقَصْدِ
الْمَسْجِدِ الشَّرِيفِ فَإِذَا وَصَلَهُ زَارَ الْقَبْرَ الشَّرِيفَ
وَقَبَرَ الصَّاحِبِينَ وَدَخَلَتِ الزِّيَارَةَ لِقَبْرِهِ عَلَيْهِ
وَقَبْرِي صَاحِبِيهِ تَبَعًا لَزِيَارَةِ مَسْجِدِهِ عَلَيْهِ

لیکن جو شخص مدینہ منورہ سے دور ہے تو اس کے لیے قبر رسول اللہ کے لیے شدر حال جائز نہیں مگر اس کے لیے مسجد شریف کی زیارت کے ارادہ سے شدر حال سنت ہے پس جب وہ مسجد نبوی تک پہنچ جائے تو قبر شریف کی زیارت بھی کرے۔

قارئین کرام! دیکھئے ساحتہ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ اسے مسجد نبوی کی زیارت کے بعد قبر شریف کی زیارت کی بھی تلقین اور نصیحت فرما رہے ہیں۔ مسجد شریف میں پہنچ جائے تو آپ ﷺ کی قبر، آپ کے ساتھیوں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت بھی کرے۔ نبی ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبروں کی زیارت مسجد نبوی کی زیارت کے ضمن میں داخل ہوگئی ہے یعنی اس کے تابع ہیں۔

تنبیہ:

مکتوب نگار کے نزدیک قبر رسول اللہ ﷺ اور مقابر بقیع و شہدائے احد کی زیارت اس لیے ممنوع ہے کہ ان کے لیے شدر حال جائز نہیں تو پھر کیا بقول ان کے مسجد قباء کی زیارت بھی جائز نہیں؟ کیوں کہ مدینہ منورہ سے دور دراز علاقوں میں رہنے والوں کے لیے شدر حال کر کے مسجد قباء کی زیارت کرنا ممنوع ہے جب کہ اہل مدینہ کے لیے مسجد قباء کی زیارت پر شدر حال کی تعریف منطبق نہیں ہوتی۔ کیوں کہ شدر حال دور دراز علاقوں سے ہوتا ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مجموعہ فتاویٰ کے جلد ۱۶ صفحہ ۱۰۰ الفتاویٰ الکبریٰ جلد اول کے صفحہ ۷۷ پر اور ساحتہ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

لہذا جب مسجد قباء کی زیارت کے لیے اہل مدینہ کا شدر حال بنتا

نہیں اور اہل مدینہ کے غیر کے لیے شدر حال جائز نہیں تو پھر کیا مسجد قباء میں گھر سے وضو کر کے دو رکعت ادا کرنے اور عمرہ کا ثواب حاصل کرنے کے لیے آسمانوں سے فرشتے نازل ہوں گے؟

اگر اس کے جواب میں مکتوب نگار صاحب یہ فرمائیں کہ مسجد قباء کی زیارت شرعی کے لیے دوسری حدیث موجود ہے جس کا انہوں نے حوالہ دیا ہے تو اس کے جواب میں ہم بھی یہ کہیں گے کہ قبر رسول ﷺ اور دیگر مقامات مثلاً مقابر وغیرہ کی زیارت کے لیے اگرچہ شدر حال جائز نہیں مگر ان کی زیارت مسنون ہونے پر دوسری صحیح اور حسن درجہ کی روایات بھی موجود ہیں۔

مسجد قباء کی زیارت کے بارہ میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف:

یادر ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فتاویٰ الکبریٰ کی جلد نمبر ۷ صفحہ ۷۷ میں مسجد قباء کی زیارت کے سلسلہ میں یوں فرماتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ مِنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ
بِالسَّفَرِ إِلَى الْمَشَاهِدِ وَاحْتِجُوا بِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ
يَأْتِي قُبَاءَ كُلِّ سَبْتٍ رَاكِبًا وَمَاشِيًا. أَخْرَجَهُ فِي
الصَّحِيحَيْنِ وَلَا حُجَّةَ فِيهِ لِأَنَّ قُبَاءَ لَيْسَتْ مَشْهُدًا
بَلْ مَسْجِدٌ وَهِيَ مِنْهُي عَنْ السَّفَرِ إِلَيْهَا بِاتِّفَاقِ
الْإِمَّةِ لِأَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ بِسَفَرٍ مُشْرُوعٍ بَلْ لَوْ سَافَرَ
إِلَى قُبَاءَ مِنْ أَهْلِ دُوْرِهِ لَمْ يَجْزُ وَلَكِنْ لَوْ سَافَرَ إِلَى
الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ ثُمَّ ذَهَبَ مِنْهُ إِلَى قُبَاءَ فَهَذَا
يُسْتَحَبُّ كَمَا يُسْتَحَبُّ زِيَارَةُ قُبُورِ أَهْلِ الْبَقِيعِ
وَشَهَدَائِهِ أُحُدٍ .

”بعض عہد متاخر کے علماء نے یہ بات ذکر کی ہے کہ مشاہد کی طرف سفر کرنے (یعنی شدر حال) میں کوئی حرج نہیں اور انہوں نے اس بات کو دلیل بنایا ہے کہ آپ ﷺ ہر ہفتہ سوار ہو کر یا پیدل مسجد قباء کی زیارت فرماتے تھے۔ اس حدیث کو بخاری مسلم نے صحیحین میں نکالا ہے۔ ان کے لیے اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں کیوں کہ قباء مشہد نہیں بلکہ مسجد ہے، اور اس کی طرف (شدر حال کی صورت میں) سفر آئمہ کے نزدیک

بالا اتفاق منع ہے، کیوں کہ یہ سفر مشروع نہیں بلکہ اگر کوئی شخص اپنے گھر سے سیدھا مسجد قباء کی زیارت کے ارادہ سے سفر کرے تو وہ جائز نہ ہوگا البتہ اگر وہ مسجد نبوی کی طرف سفر کر کے وہاں سے مسجد قباء کی طرف آئے تو یہ مستحب ہے، جیسا کہ اہل بقیع اور شہداء احد کی زیارت مستحب ہے۔“

مکتوب نگار اگر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس فتویٰ پر ذرا غور کر لیں تو انہیں اپنے دعویٰ کی حقیقت سمجھ آ جائے گی۔ دیکھئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مسجد نبوی کے بعد مسجد قباء، مقابر بقیع اور شہداء احد کو زیارت کے باب میں ایک ہی درجہ میں شمار کیا ہے۔ گویا کہ کوئی بھی زائر جو مدینہ سے باہر رہنے والا ہے وہ اس وقت تک خواہ مسجد قباء ہو یا مقابر بقیع و شہداء احد کی زیارت کا مجاز نہیں جب تک کہ مسجد نبوی کی طرف رجوع نہ کرے۔

قبر رسول و مقابر بقیع، شہدائے احد کی زیارت کی فضیلت و شرعی حیثیت:

①..... امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قبر رسول ﷺ کی زیارت کی فضیلت کے بارہ میں ”الجواب الباہر فی زوار المقابر“ کے مترجم کے صفحہ ۳۱ پر یوں فرماتے ہیں:

”مسجد نبوی کی زیارت کرنے والے کو قبر کرم کی زیارت بھی ہو جائے گی اگر ہم یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ قبر کرم کی زیارت افضل ترین عمل ہے۔☆ اس بارہ میں میری یا کسی دوسرے عالم کی تحریر سے اس کی نفی نہیں ہوتی۔ انبیاء کرام، صالحین امت ﷺ اور دیگر افراد کی قبروں کی زیارت کی شرعی حیثیت مسلم ہے بلکہ ہم نے زیارت قبور کو مستحب قرار دیا ہے اور خود رسول اللہ ﷺ جنت البقیع اور شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔“

”روضہ رسول ﷺ کی زیارت“ کے صفحہ ۳۰ پر مرقوم ہے:

سلف امت کی اکثریت کا خیال ہے کہ مومنوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے تاکہ ان کے لیے دعا اور ان پر سلام بھیجا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ جنت البقیع تشریف لے جا کر وہاں ان کے لیے دعا فرماتے نیز صحیحین کی روایت سے بھی ثابت ہے:

إِنَّهُ خَرَجَ إِلَى شَهْدَاءِ أُحُدٍ فَصَلَّى عَلَيْهِمْ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَوْتَى كَالْمُودِعِ لِلْأَحْيَاءِ وَالْأَمْوَاتِ .

”آپ شہدائے احد کی قبروں کے پاس گئے اور ان کے لیے ایسی دعا کی کہ جیسے عام میت پر جنازہ پڑھا جاتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ سب زندہ اور فوت شدگان کو رخصت کر رہے ہوں۔“ (یہ ترجمہ مترجم کتاب کا ہے۔)

سماحۃ الشیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ اور زیارت قبور:

سماحۃ الشیخ مجموعہ فتاویٰ کی جلد نمبر ۱۷ کے صفحہ ۴۱۲ پر یوں فرماتے ہیں:

وَإِذَا زَارَ الْمَسْجِدَ النَّبَوِيَّ شَرَعَ لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ فِي الرُّوضَةِ رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَى صَاحِبَيْهِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَمَا يُشْرَعُ زِيَارَةُ الْبَقِيعِ وَشَهْدَاءِ أُحُدٍ لِلسَّلَامِ عَلَى الْمَدْفُونِينَ هُنَاكَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَغَيْرِهِمْ وَالِدَعَاءِ لَهُمْ وَالتَّرْحِيمِ عَلَيْهِمْ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَزُورُهُمْ.

”جب زائر مسجد نبوی کی زیارت کرے تو اس کے لیے مشروع ہے کہ وہ روضہ (ریاض الجنۃ) میں دو رکعت پڑھے، پھر نبی ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھے جیسا کہ بقیع اور شہدائے احد کی زیارت وہاں مدفون صحابہ وغیرہ کے لیے سلام پڑھنے اور ان کے لیے دعا کرنے اور ان کی طلب رحمت کے لیے مشروع یعنی مسنون ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ ان کی زیارت کیا کرتے تھے۔“

اور اپنے صحابہ کو جب وہ زیارت کریں تو انہیں فرماتے کہ وہ یہ پڑھیں۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ .

[صحیح بخاری کتاب الجنائز، رقم: ۱۳۴۴ و کتاب المغازی،

رقم: ۴۴۲۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، رقم: ۲۲۹۶]

[جاری ہے]

☆ مگر مکتوب نگار کے نزدیک قبر کرم کی زیارت کی اتنی فضیلت بھی نہیں بنتی کہ جتنی کہ مسجد نبوی اور قباء کی ہے۔ حالاں کہ مسجد نبوی یا مسجد قباء انہیں یہ شرف و کرامت رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کی وجہ سے حاصل ہوا اور دونوں کی بنیاد خود رسول اللہ ﷺ نے رکھی۔

بیاد استاذی محترم علیم ناصری رحمۃ اللہ

اُمّ عبد منیب

معلوم نہیں تھا کہ ”الاعتصام“ کے منظوم حصے کے مدیر علیم ناصری صاحب ہیں۔ چند روز بعد مجھے ان کا خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا:

محترمہ سمیہ مسعود عبدہ صاحبہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی ارسال کردہ نعت آپ کو واپس بھیجی جا رہی ہے کیوں کہ ”الاعتصام“ کی پالیسی اس عقیدے پر مبنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو درود و سلام کے لیے براہ راست خطاب نہیں کرنا چاہیے۔ لہذا اس کی اشاعت سے ہم معذور ہیں۔ اگر ایسے ہی مضامین صیغہ غائب میں باندھے جائیں تو بہت اچھی نعت ہو سکتی ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے۔ اگر آپ یہی نعت ماہنامہ سیارہ (D/1 منصورہ) لاہور کو بھیج دیں تو اس کی اشاعت ہو جائے گی۔

والسلام
دعا گو: علیم ناصری مدیر ”الاعتصام“
۲۴/۸/۸۹

الحمد للہ! توحید کا شفاف عقیدہ اپنی زندگی کی روح ہے اور اسے سوچ سمجھ کر اپنا رکھا ہے کہ یہی نجات کا بنیادی راز ہے لیکن نعت کے اس پہلو پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ علیم ناصری صاحب کے قلم سے نکلنے والی یہ دو سطریں میری زبان سے ادا ہونے والی نعت جیسی مصطفیٰ و منزہ صنف کو شرک سے بچانے کے لیے ہمیز ثابت ہوئیں۔ اسی نعت کو بعد ازاں میں نے مندرجہ ذیل رنگ دیا۔

النبی الخیر سے ہے منجلی
ہر صراط مستقیم و مستوی
جس کی مولانا نے ہی اصلاح کی اور اب میرے مطبوعہ نعتیہ

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب میری عمر تقریباً گیارہ سال تھی۔ نعت کہنے اور سننے کا شوق تب بھی میرے اندر جوان تھا۔ گو سمجھ اور علم ابھی ریگ ریگ کر چلنے سے بھی نا آشنا تھے۔ انہی دنوں ماہنامہ ”ضیائے حرم“ زیر ادارت پیر کرم شاہ الازہری کہیں سے ملا۔ اس میں ہر ماہ آٹھ دس صفحات نعتوں پر مشتمل ضرور ہوتے۔ جن میں عبدالعزیز خالد، حفیظ تائب، احسان دانش، عزیز حاصل پوری، طفیل ہوشیار پوری، عابد نظامی، خالد بزمی، حافظ محمد افضل فقیر، حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی، عبدالکریم شمر، عاصی کرناٹی اور دیگر نعت گو شعراء کا کلام شائع ہوتا تھا۔ محترم علیم ناصری صاحب کا کلام بھی اس شمارے میں موجود تھا، جس کا مطلع ہے۔

بندہ کہاں اور کہاں نعت رسول کریم
جس کے محامد عظیم، جس کے محاسن عظیم
دیگر نعتیہ شعراء کے ساتھ ساتھ علیم ناصری صاحب کا نام بھی اسی عمر میں حافظے پر ہی نہیں بلکہ نعت رسول ﷺ کی مناسبت سے دل پر بھی نقش ہو گیا۔ جو عمر اور فہم بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔ میں جو کلام کہتی اسے چند ماہ بعد خود ہی نا پختہ سمجھ کر قلم زد کر دیتی یا اسے بیاض میں لکھ لیتی۔

۱۹۸۹ء کی بات ہے کہ میں نے اپنی بیٹی مریم خنساء کی ترغیب سے اپنا کلام مختلف رسائل میں اشاعت کے لیے بھیجا۔ ”الاعتصام“ بھی ان رسائل میں شامل تھا۔ اسے جو نعت بھیجی اس کا مطلع تھا۔

السلام اے آپ سے ہے منجلی
ہر صراط مستقیم و مستوی
اس نعت کا ہر مصرع ”السلام اے“ سے شروع ہوتا تھا۔ مجھے یہ

مجموعہ ”مدح منزل“ میں شامل ہے۔

اس کے بعد میں نے چند دیگر منظومات اور نعتیں بھی ”الاعتصام“ میں ارسال کیں۔ مولانا نے مجھے پھر خط لکھا۔ غالباً وہ سمجھ چکے تھے کہ ان کی مخاطب ان کی بیٹی کی عمر کے برابر ہے۔ انہوں نے لکھا:

۱۹/۱۰/۸۹

سمیہ بیٹی سلامت رہو!

تمہاری ایک نعت اور ایک غزل موصول ہوئی تھی۔ دونوں ضروری اصلاح کے بعد ”الاعتصام“ میں شائع کی جارہی ہیں۔ اصلاح شدہ مسودات اس لیے واپس بھیج رہا ہوں کہ تم ان کو دیکھ کر معلوم کر لو کہ کہاں تبدیلی کی گئی ہے جو اشعار حذف کیے گئے ہیں وہ اتنے زوردار نہ تھے کہ شامل کیے جاتے۔

والسلام

دعا گو: علیم ناصری

مولانا اس قدر علم پرور، خصوصاً نوآموز کی حوصلہ افزائی کرنے والے تھے اس کا اندازہ مجھے اس خط کے بعد ہر مرتبہ ان سے رابطہ کرنے پر محسوس ہوا۔

جلد ہی مولانا علیم ناصری یہ بھی جان گئے کہ ان کی سمیہ بیٹی، محمد مسعود عابدہ کی زوجہ ہیں، جن سے وہ پہلے ہی واقف تھے۔ آنے والے وقت میں میرے زوج محترم کا تعلق ادارہ ”الاعتصام“ کے اراکین سے بڑھتے بڑھتے دوستی کی حد تک پہنچ گیا جو بعد ازاں مدیر حافظ احمد شاہ صاحب سے رشتہ داری کی صورت بھی اختیار کر گیا۔

میں مولانا علیم ناصری صاحب کے اہل خانہ اور خود اپنے اہل خانہ میں علیم ناصری صاحب کی بیٹی کے طور پر متعارف ہو گئی جس کا سبب مولانا کا بار بار بیٹی کہہ کر مجھے لکھنا یا میرا تذکرہ کرنا تھا۔

۱۹۹۷ء میں لواء الجہاد کے نام سے جہادی ترانوں پر مشتمل میرا کتابچہ شائع ہوا تو مولانا نے اسے بظہر غائر پڑھ کر فنی اصلاح کا فریضہ بغیر کہے انجام دیا اور گیارہ صفحات لکھ کر بھجوا دیے۔ میں نے رب کریم کا شکریہ ادا کیا جس نے اتنی مخلص، مشفق، فن شعر اور درو زبان و ادب پر

دقیق نگاہ رکھنے والی شخصیت کو میرے گھر بیٹھے بغیر کسی تلاش اور منت و سماجت کے میرا استاذ بنادیا۔

مولانا کی پدرانہ شفقت کے باعث میں نے اپنا تمام کلام یک جا کیا اور ان کے پاس اصلاح کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے اسے بڑی عرق ریزی کے ساتھ دیکھا اور ہر لفظ کی قواعد کی رو سے حیثیت، وزن اور بحر کے لحاظ سے اس کا استعمال بالنفیص لکھ کر بھیجا۔

صرف یہی نہیں! مولانا قواعد املا کا بھی خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ساتھ ساتھ اس کی بھی اصلاح کی اور مجھے وضاحت کے ساتھ سمجھایا کہ اس لفظ کی یہ املا کیوں کی جاتی ہے۔

اشعار کے نمبر یا بیاض کے صفحہ نمبر دینے میں جہاں کہیں مجھ سے غلطی ہو گئی تھی اسے بھی درست کیا حالانکہ یہ ان کا کام نہیں تھا۔

میری بیاض کو جس روز شروع کیا اس کے پہلے صفحے پر بایں الفاظ تاریخ لکھی:

فاضل بیٹی سمیہ مسعود کے کلام پر مشورے اور ضروری اصلاح

آغاز ۲۰ مارچ ۲۰۰۱ء۔ علیم ناصری

اور جس روز اس بیاض کی اصلاح کا کام ختم ہوا اس کی تاریخ بھی آخری صفحے پر درج کی۔

مولانا نے کئی بار میرے زوج محترم سے یہ اظہار کیا کہ کسی دن آپ کے گھر آ کر اپنی فاضل بیٹی کو کچھ فن شعر کے بارے میں سمجھاؤں گا لیکن میں نے حیا کے باعث کبھی آپ سے فون پر بھی بات نہیں کی۔

دوبار مجھے مولانا کے علاقے نفیر آباد شالیمار ٹاؤن میں اس مدرسے میں درس دینے کے لیے بھی جانے کا اتفاق ہوا جو مولانا ہی کے زیر نگرانی کام کر رہا تھا اور وہاں درس دینے کے لیے مجھے دعوت بھی مولانا ہی کی جانب سے ملی تھی۔ گویا وہ صرف شاعر ہی نہیں اسلام کی تبلیغی مساعی میں دامے، درمے، سنے، قدمے اپنا حصہ ڈال رہے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ مدرسہ کی طالبات مولانا کی بہت عزت و تکریم کرتی ہیں۔ مولانا کی اکلوتی بہو بیگم خالد علیم نے بڑے اخلاص اور محبت سے کھانا کھلایا۔ ان کی باتوں سے پتا چلا کہ مولانا بہت ہی شفقت

کرنے والے اور بے ضرر انسان ہیں۔

جب میں مولانا کے دواڑھائی مرلے کے مکان میں داخل ہوئی تو وہ ایک عدد کمرے کے دروازے کے پاس لکڑی کی تپائی پر بیٹھے تھے جس کے دائیں بائیں کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ میرا بیٹا عبدمنیب سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گیا اور میں اندر کمرے میں چلی گئی۔ یہ کیا! کمرہ زمین سے لے کر چھت تک چاروں اطراف سے کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ شعر و ادب اور تنقید پر مشتمل کتابیں ہی کتابیں تھیں جب کہ دینی کتب کی تعداد ان کے مقابلے میں کم تھی۔ بعد ازاں مجھے میرے بیٹے نے بتایا کہ مولانا کہہ رہے تھے کہ میری بیٹی کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی ہوگی کہ دینی کتب کی تعداد کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے بیٹے خالد علیم ادبی کتب جمع کرنے کا ذوق رکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ مولانا کا دینی کتب کا مطالعہ بھی وسیع تھا اور وہ عربی اور فارسی ادب پر بھی عبور رکھتے تھے۔

گھر کی چھت پر مجھے کھانا کھانے کے لیے مولانا کی پوتیاں لے گئیں تو وہاں بھی پورا کمرہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ الماریوں کے علاوہ فرش پر بھی کتابوں کے نیچے اوپر ڈھیر رکھے ہوئے تھے۔

مولانا کے بیٹے خالد علیم صاحب خود بھی ایک کہنہ مشق شاعر اور ادیب ہیں ان کے کئی مجموعہ کلام میں نعتیہ کلام ”محامد محمد“ صدارتی ایوارڈ یافتہ، بغداد آشوب، وغیرہ شامل ہیں۔

بنگم خالد علیم ایک گھڑ، سلیقہ شعار گھریلو خاتون ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ کے کلام کی اصلاح کے دوران مولانا میرے ساتھ آپ کے کلام پر اظہار خیال بھی کرتے رہتے ہیں۔

مولانا کی عمر خاصی زیادہ تھی۔ ان کے اہل محلہ اور اراکین ”الاعتصام“ انہیں ”بابا جی“ کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ مولانا کو آخری عمر میں چند گہرے صدے بھی برداشت کرنا پڑے۔ ان کی بیٹی عذرا اور داماد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر ایک حادثے میں وفات پا گئے۔ چند سال بعد ان کے بھائی بھی چل بسے۔ آنکھوں کا آپریشن بھی ہوا۔ جسم نحیف اور دبلا پتلا تھا۔ اس کے باوجود مدرسے کی نگرانی، الاعتصام کے دفتر میں حاضری، مختلف کتابوں پر اصلاح و تبصرے کا کام،

نیز مختلف رسائل پر تبصرہ باقاعدگی سے کیا کرتے تھے۔

ماہنامہ ”عفت“ مدیرہ عفت سلیمی یاسمین نجمی صاحبہ نے مجھی سے ان کا پتہ لے کر ان کے نام جاری کیا۔ چنانچہ وہ اس رسالے کے افسانوں اور نظموں پر بھی باقاعدگی سے اصلاح و تبصرے کا خط لکھتے۔ ”الاعتصام“ میں ”زبانِ خامہ کی غلطیاں“ کا مستقل سلسلہ بھی جاری تھا۔ رشتہ داروں کے حقوق و فرائض وغیرہ کا بھی خیال رکھتے تھے۔

اسماء حبیب، ڈاکٹر نجیب الرحمن کیلانی صاحب کی بیٹی نے مولانا کے فن اور شخصیت پر مقالہ لکھا، جس میں ان کی زندگی کے بہت سے گوشے یک جا ہو گئے ہیں۔

مجھے مولانا کے عام اخلاق و عادات اور گھریلو زندگی کی کچھ زیادہ واقفیت نہیں لیکن ان کی ادبی ژرف نگاہی کی دستاویز اصلاح و تبصرے پر مشتمل تقریباً ۴۰۰ صفحات میرے پاس موجود ہیں، جنہیں ان شاء اللہ افادہ عام کے لیے منظر عام پر بھی لایا جائے گا۔

رب کریم سے دعا ہے کہ وہ ان کی دینی خدمات اور تمام علمی و ادبی کوششوں کو نیز ان کی اولاد و اتحاد کو صدقات جاریہ کی صورت تاقیامت ان کی حسنت میں اضافے کا سبب بنائے رکھے، آمین۔



مولانا محمد عبد اللہ (جھوک دادو طور) کو صدمہ

مولانا محمد عبد اللہ صاحب جھوک دادو طور ضلع فیصل آباد (مہتمم مدرسہ مولانا میاں محمد باقر رحمہ اللہ) کی والدہ محترمہ گزشتہ دنوں قضائے الہی سے وفات پا گئیں۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ ایک نیک طبع خاتون تھیں۔ علاقے بھر کی بچیوں کی تعلیم فرماتی رہیں۔ ان کی نماز جنازہ مولانا محمد امین صاحب جامعہ تعلیم الاسلام چک ۴۳۶ گ ب اوڈاں والا نے پڑھائی۔ جنازے میں علاقہ بھر سے علمائے کرام، اقربا اور لوگوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

[شہادت طور، میجر تنظیم اہل حدیث چوک دالگراں لاہور]

کتاب اور ستم ظریف عناصر

پروفیسر محمد بشیر مٹین فطرت

انہی کرم فرما حضرات کا ”کرم بالائے کرم“ ہے کہ آج ہمارے قومی ونجی اور شعبہ جاتی ذخیرہ ہائے کتب بلحاظ کمیت و کیفیت ناقص سے ناقص تر ہوتے جا رہے ہیں، کہیں درکار کتب سرے سے ناپید ہیں تو کہیں اوّل و آخر اور کہیں درمیان سے ناقص ہو چکی ہیں، یہ غارت گران کتب اور دشمنانِ معارف، علوم و عرفان اور فنون و ہنر کے ان شہ پاروں کی علمی و مذہبی افادیت اور ملی اثاثہ جات کی قدر و قیمت سے پوری طرح آگاہ و باخبر ہیں، اسی لیے پورے ادراک و شعور سے وہ انہی شہ پاروں پر ہاتھ صاف کرتے ہیں، جنہیں باہر کی دنیا میں مہنگے داموں فروخت کر کے وہ بظاہر قابل رشک زندگی گزار سکیں، انہی ستم ایجاد عناصر کی ستم رانیوں کا یہ اثر ہے کہ بعض اہل کتب خانہ کسی کو کتاب دیتے وقت مختلف خدشات و خطرات اور شکوک و شبہات میں گھر جاتے ہیں۔ انہیں یہ تذبذب لاحق ہو جاتا ہے کہ خدا جانے ہماری کتاب واپس ملے گی کہ نہیں، جب کہ بعض جرأت آشنا کتاب دینے سے صراحتاً انکار کر دیتے ہیں۔ پچھلے دنوں غیر متوقع طور پر میرے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کے لیے میں ذہنی طور پر قطعاً تیار نہ تھا، وہی واقعہ دراصل اس مضمون کی تحریر کا محرک اساسی ہے۔

راقم الحروف کے دیرینہ کرم فرما احباب میں سے ایک صاحب جو بڑے شگفتہ مزاج اور مرنجان مرنج طبیعت کے مالک ہیں، ایک موقع پر کسی کام کے حوالے سے انہوں نے مجھے اپنے دولت خانے پر حاضری کی سعادت بخشی، پیش نظر تحریری کام سے فراغت پر چائے کا دور چلا، دریں اثنا میری نظر، الماری میں سچی ان کتب پر پڑی، کتابوں کا رسیا اور کتب بینی کا شائق ہونے کے باعث میں نے ان کتب سے شناسائی کا عندیہ ظاہر کیا تو انہوں نے یکے بعد دیگرے بعض کتب دکھائیں، منجملہ

علم دوستی اور معارف پروری ایک پاکیزہ و پسندیدہ وصف اور تعمیری جذبہ و مشغلہ ہے، معارف آشنا اور اصحابِ قرطاس و قلم علمی استفادہ کے لیے کتاب سے بہر صورت رابطہ قائم رکھتے ہیں، گلستانِ کتب، ان کا اپنا ہوا حلقہ احباب میں سے کسی کا، وہ حتی المقدور اس سے گل مراد چن لیتے ہیں، پھر انہی گلہائے رنگارنگ سے اہل ذوق اور خزانوں کے لیے نوبہ نو گل دستہ ہائے علم و عرفان تیار کرتے ہیں، ایسی علمی کاوشیں فی الحقیقت قومی و ملی اثاثہ جات میں شمار ہوتی ہیں، یہ سلسلہ فروغ علم و فن صدیوں سے متعارف و مسلسل ہے۔

انفرادی، اجتماعی، سرکاری اور نیم سرکاری کے علاوہ مختلف شعبہ جاتی سطوح پر قائم کتب خانے اسی فیضانِ علم و ادب اور فروغ معارف کے سلسلے اور سرچشمے ہیں، شائقینِ علم و ادب اور تشنگانِ تحقیق و معارف ان سرچشمہ ہائے فیضان سے شام و سحر سیراب ہوتے اور حسبِ تمنا گوہر مراد حاصل کرتے ہیں، اہل علم میں ایک دوسرے کے ذخیرہ علم و دانش سے مستفید ہونا ایک متعارف و متداول امر ہے، جس میں نہ ہچکچاہٹ حائل ہوتی ہے نہ بخلِ سدر راہ بنتی ہے، لیکن بایں ہمہ حقائق، زمانے کے نشیب و فراز سے جہاں دوسری اقدار متزلزل و متغیر ہو رہی ہیں وہاں علمی استفادہ اور اس کے ذرائع بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، وہ بھی پہلے کی نسبت روز بروز رو بہ زوال ہیں۔

بعض خود غرض اور مفاد پرست عناصر نے اساسِ علم و ادب اور چمن ہائے حکمت و دانش کو بھی اپنی چیرہ دستیوں اور ترک تازیوں کی جولان گاہ و آماج گاہ بنالیا ہے۔

ستم ظریف ہوئے خنجر آزمائے کتاب
خزینہ ہائے معارف کی خیر ہو یا رت!

بدگمانی بھی نہیں تھی۔ لیکن مثل مشہور ہے کہ ”سانپ کا کاٹا، رسی سے ڈرتا ہے“ اور ”دودھ کا جلا چھا چھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے“ بنا بریں انہوں نے مطلوبہ شمارہ مجھے دینے سے بلاتامل اور سختی سے گریز کا پہلو اختیار کیا، میں ان کی مجبوری کو سمجھ چکا تھا، ان کے شگفتہ رخ زیا پر حزن و ملال کے امتزاج سے رونما ہونے والے تجریدی آرٹ کے نمونے بھی میری نظر میں تھے، لہذا صبر کی سل، سینے پر رکھ کر میں اپنے مطالبے سے دست بردار ہو گیا، اس لیے بھی کہ کم از کم میں ان کے شگفتہ چہرے کو موقع جلال بنتے دیکھنے کا محتمل نہیں تھا، ہر چند کہ گفتہ شاعر:

جوں جوں یہ بگڑتے ہیں سنور جاتے ہیں کیسے؟
اور جی چاہتا ہے پھر انہیں دیکھیں عتاب میں
میرے پیش نظر تھا، مگر میں رخ جمیل کو منقلب ہوتے نہیں دیکھ
سکتا تھا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتاب کے بارے میں یہ نظریہ کس شخص کی اختراع و ایجاد ہے؟ کوئی راست باز اور صاحب ایمان تو اس طرح کی لغو و لالچ یعنی گفتار و تبلیغ کا محرک و مؤید نہیں ہو سکتا، البتہ گمراہ و بے دین افراد کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، اس نظریے سے موجود نظریہ کی ذہنی کیفیت اچھی طرح آشکار ہو رہی ہے، وہ یقیناً فہم سقیم اور غصب و ذخیرہ اندوزی کے ترغیب دہندہ عناصر کا نمائندہ و سرخیل معلوم ہوتا ہے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ کسی بھی معاشرے کے تمام افراد یکساں صلاحیت، برابر کی قابلیت اور ایک جیسے رجحان کے حامل نہیں ہوتے، بلکہ استعداد و اوصاف کے حوالے سے کمی بیشی کے حامل اور بعض صورتوں میں متضاد و متباہن افکار و نظریات رکھنے والے حضرات بھی موجود ہوتے ہیں، انسان دوست بھی، انسان دشمن بھی، علم دوست بھی، علم دشمن بھی، اہل دین بھی اور بے دین و دشمن دین بھی، بقول شخصے:

نہ ہر زن ، زن است و نہ ہر مرد ، مرد
خدا بیچ انگشت یکساں نہ کرے
لہذا ہر کسی کی بات پر بلاتامل سر تسلیم خم کر دینا اور بغیر سوچے سمجھے، اس پر عمل پیرا ہو جانا، سلیم الفطرت افراد کا شیوہ و شعرا نہیں ہے، ذی شعور

ان کے جھنگ سے شائع ہونے والے ایک طبی مجلہ ”نقوش طب“ کا ”شفاء الملک نمبر“ بھی تھا، جس کی ضخامت ۸/۳۰ x ۲۰ سائز کے ۹۴۰ صفحات پر محیط تھی۔

میں ان دنوں شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد و رشید مولانا شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و کوائف کے سلسلے میں سرگرداں تھا، اور مولانا موصوف اور شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی مرحوم کا قریبی تعلق میری چشم دید حقیقت ہے۔ لہذا اس خیال سے کہ شاید اس ضخیم نمبر میں قرشی مرحوم کے دوست احباب کے ضمن میں مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی ہو، میں نے نقوش طب کے شفاء الملک نمبر کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے مہربان دوست سے درخواست کی کہ یہ خصوصی نمبر چند روز کے لیے آپ برائے مطالعہ عاریتاً مجھے دے دیں۔ انہوں نے بلاتامل انکار کر دیا، ان کا انکار اور انداز انکار میرے لیے کاملاً غیر متوقع تھا، میں نے حیرانی کے عالم میں ان سے انکار کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جلد دل کے پھچھو لے پھوڑتے ہوئے کہا کہ میرے دوستوں کی مہربانیوں سے میری الماری میری پسندیدہ کتابوں سے خالی ہوتی چلی گئی ہے۔ لہذا میں نے اب کسی کو بھی کوئی کتاب نہ دینے کا تہیہ کر رکھا ہے، سو آپ سے بھی سوائے معذرت کے کچھ عرض نہیں کر سکتا، بایں ہمہ میں نے انہیں کتاب دینے پر مائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر افسوس صد افسوس کہ بعض نام نہاد ”کتاب دوست“، مگر درحقیقت علم دشمن عناصر، جو مستعار لی ہوئی کتب کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جاتے ہیں اور اپنے اس اقدام پر شرمندہ ہونے کی بجائے کمال شوخ چشتی سے اتراتے ہوئے یہ کہتے ہیں:

”کسی کو کتاب دینا سخت بے وقوفی ہے، اور کتاب لے کر واپس کرنا اس سے بھی سنگین تر حماقت ہے۔“

ایسے ہی غاصبان کتب کی کرشمہ سازیوں سے وہ اس قدر دل برداشتہ اور بے زار ہو چکے تھے کہ میں ان کے شگفتہ رویے میں یک لخت خفگی اور خشکی کے آثار دیکھ کر حیران رہ گیا، حالاں کہ وہ میری عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھے، مجھے یہ بھی یقین ہے کہ انہیں مجھ سے کوئی

لوگ ہر کسی کو اپنا مطاع و قبلہ نما نہیں سمجھتے، البتہ نا فہم و ناشناس افراد کا معاملہ ہی مختلف ہے۔ بقول غالب:

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں
جس کے افکار و نظریات، خلق خدا کے لیے آزار و تکلیف کا باعث
ہوں، وہ تو بالکل بی ناقابل اعتنا قرار پاتا ہے، چہ جائے کہ اس کے ہفوات
و ہذیات کو لائق التفات اور قابل پیروی خیال کیا جائے، تاہم ہر چمکتی چیز
کو سونا سمجھ کر لپکنے والے لوگوں کی کمی نہیں اور ایسے ائمہ ضلالت کو بھی یہ گلہ
نہیں رہتا کہ ہمیں پیروکار نہیں ملے، درحقیقت ایسے ہی ستم ظریف
و مفسدہ پرداز عناصر کی پیروی سے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکتی اور دشمنیاں
فروغ پاتی ہیں اور نتیجتاً امن و امان معرض خطر و خلل میں پڑ جاتا ہے۔

مستعار لی ہوئی چیز امانت ہوتی ہے اور ہمارے دین میں امانت کو
لوٹانے کی تعلیم بڑی واضح ہے، ہمارے دین میں امانت کو غصب کرنے یا
اس میں خیانت کرنے کی سخت مذمت بلکہ سخت وعید وارد ہوئی ہے،
ہمارے رہبر و رہنما حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک امتیازی وصف
”الامین“ (امانت کی حفاظت کرنے والا) ہے، آپ ﷺ کے خون کے
پیاسے بھی ان جیسا ”الامین“ تلاش کرنے سے عاجز و در ماندہ تھے، اسی
لیے ہزار مخالفت کے باوجود وہ اپنی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس رکھتے
تھے۔ جب ہجرت مدینہ کا وقت آپ پہنچا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو اپنے بستر پر لیٹنے کی تلقین کرتے ہوئے لوگوں کی امانتیں ان کے
حوالے کی تھیں کہ ان امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچا کر تم بھی مدینے
چلے آنا۔“ منافق کی جو تین امتیازی علامتیں آپ ﷺ نے بیان فرمائی
ہیں، ان میں سے ایک امانت میں خیانت کرنا بھی ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع
میں بھی آپ ﷺ نے تاکید اور وصیہ فرمایا:

”عاریۃ (اُدھاری ہوئی چیز) لوٹائی جائے گی۔“

حیرت ہے کہ ہم آپ ﷺ کے امتی کہلانے کے باوجود ان کے
اس نمایاں وصف کردار سے کس قدر دور اور بیگانہ ہو چکے ہیں کہ اس جرم
و گناہ کا احساس بھی نہیں بلکہ اس کے برعکس اقدامات کی تائید میں نت
نئے فلسفے بگھارے جاتے ہیں:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا
بعض عناصر نے کتاب چوری کے اقدام کو بزعم خویش، تحفظ
کتاب کا عنوان دیا ہے، ان کا عندیہ ہے کہ ہماری لائبریریوں میں نادر
و نایاب کتب اور مخطوطہ جات کی حفاظت کا خاطر خواہ بندوبست نہیں ہے،
لہذا ان کے تلف ہو جانے یا کسی اور کے ہاتھ لگ جانے کا صد فی صد
احتمال ہی نہیں بلکہ ایک یقینی صورت حال ہے، ایسی صورت میں اپنی
مطلوبہ یا بعض حالات میں دیگر اہم نسخہ ہائے نادر و نایاب کو دوسروں کی
دسترس میں جانے سے بچانے کے لیے کسی فنکاری یا ملی بھگت سے اڑالیا
جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اس طرح کم از کم ہمارے ہاں تو وہ نسخہ ”محفوظ
ہاتھوں“ میں ہوگا، لیکن یہ بندگانِ اغراض اور سارقانِ بد انجام یہ کیوں
نہیں سوچتے کہ لائبریری میں رکھا ہوا نسخہ عام خلق خدا کے فائدے میں
کس قدر کارآمد ہے! کتنے محققین و مفکرین کی تحقیق و تصحیح کی راہ میں حائل
تدوینی و تصنیفی اور تالیفی گتھیاں اس سے سلجھتی ہیں اور سلجھتی رہیں گی! کتنے
تشنگانِ علم و عرفان اس سے اپنی تشنہ لبی کی تسکین کا سامان کریں گے؟
کس قدر طلبہ و طالبات اس سے اپنی نصابی و غیر نصابی ضروریات پوری
کریں گے، ان کی تعلیمی پیاس کا ازالہ ہوگا، اور امتحانات میں اعلیٰ
کارکردگی کے بل پر قوم و ملت کے لیے وہ کتنا بڑا اور مفید سرمایہ و اثاثہ قرار
پائیں گے؟

پھر یہ کہ وہ نسخہ یا نسخہ جات جسے یہ علم دشمن اڑانا چاہتے ہیں ان کے
قبضے میں آنے کے بعد کس کے لیے کارآمد ہوگا؟ اول تو وہ اسے چھپا چھپا
کر رکھیں گے کہ کانوں کان بھی کسی کو اس کی چوری اور ان کے ہاں
موجودگی کی خبر نہ ہونے پائے تاکہ ان کی چوری کہیں پکڑی نہ جائے۔

دوم یہ کہ ایسے گھاگ فن کار اس/ان کی ہیئت کدائی کو فوراً بد لئے
کی کوشش کریں گے اور اسے کسی دوسری یا بیرونی لائبریری یا یونیورسٹی یا
کسی شخصی و ذاتی کتب خانہ کے ارباب انتظام و انصرام کے ہاتھ فروخت
کر دیں گے، گویا ایک قومی دولت کے افادہ عام اور منفعت کثیرہ کو محض
اپنی ذاتی اغراض و ہوس کے لیے محدود سے محدود تر بلکہ بعض صورتوں میں
محدود ترین یا مسدود کر کے انہوں نے قوم و وطن یا ملت کی کیا خدمت

کسی سے برائے مطالعہ کتاب مستعار لے کر واپس نہ کرنے والے اور کسی کی کتاب کو اپنے شوق جراثیم کا تختہ مشق بنانے والے اپنے اس اقدام ناروا کے اثرات و عواقب سے کس قدر بے نیاز و بے حس ہیں!

شوق جراثیم سے میری مراد، کتاب کے صفحوں کو مروڑنا، انہیں پھاڑ دینا، داغ دھبے لگا دینا، بلیڈ وغیرہ یا کسی تیز دھار آلے سے اس کے بعض صفحات، تصاویر، نقشہ جات یا گوشوارے وغیرہ نکال لینا ہے، ہماری سرکاری اور غیر سرکاری لائبریریوں میں مجروح شدہ کتابوں کے بہت سے نسخے، ایسے بد ذوق، کتاب آزار، بلکہ کتاب دشمن اور نام نہاد شائقین مطالعہ کی دراندازی اور تاخت و تاراج کا منہ بولتا ثبوت ہیں بلکہ اس سے بھی عجیب تر داستانیں اور افسانے زبان زد خاص و عوام ہیں۔

[جاری ہے]



رمضان المبارک کے احکام و مسائل سے مکمل واقفیت کے لیے
پروفیسر حافظ عبدالستار حمادی مستند، مدلل اور انعام یافتہ کتاب

”انوارِ رمضان“

کا مطالعہ فرمائیں

مصنف کی دیگر تالیفات

- ☆ خطبات سورۃ فاتحہ ☆ خطبات آیۃ الکرسی ☆ خطبات سورۃ یوسف
- ☆ خطبات سورۃ مریم ☆ خطبات سورۃ کہف ☆ خطبات سورۃ نور
- ☆ خطبات سورۃ یاسین ☆ خطبات سورۃ نکاح ☆ خطبات سورۃ کوثر
- ☆ خطبات سیرت مصطفیٰ ﷺ ☆ توحید اور شرک کی حقیقت

ملنے کے پتے

لاہور: ☆ نعمانی کتب خانہ ☆ اسلامی اکادمی ☆ مکتبہ قدوسیہ ☆ دارالکتب السلفیہ
گوجران والا: ☆ مکتبہ نعمانیہ ☆ والی کتاب گھر
فیصل آباد: ☆ مکتبہ اسلامیہ ☆ مکتبہ اہل حدیث ملتان: ☆ فاروقی کتب خانہ

ناشر: حامد اکیڈمی۔ محلہ کٹڑہ مائی۔ وزیر آباد۔ فون: 0300-6207801

انجام دی؟ چند دراہم و دینار کی چمک اور کھٹک نے انہیں اس قدر بوکھلا دیا کہ اس بوکھلاہٹ میں وہ کتنے ہی یتیم اور متعدی گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھے؟ اپنی نظر میں بھی چور اور اللہ کی نظر میں بھی چور!

سبعہ مملکت کے ایک شاعر کے بارے میں سنا گیا ہے کہ عرب لوگ اس کے کسی شعر کو معمولی خیال نہیں کرتے تھے بلکہ جیسے تیسے بن پڑے اسے تحریر یا کسی بھی دوسرے ذریعہ سے حاصل کرنا اپنا فرض قرار دیتے تھے۔ فارسی کے ایک مشہور شاعر ظہیر فاریابی کو بھی بعض اہل فکر و نظر نے اتنا سراہا، اتنا سراہا کہ کسی دیوانہ ظہیر نے یہاں تک کہہ دیا

دیوان ظہیر فاریابی در کعبہ بدزد اگر بیانی

کہ (دیوان ظہیر فاریابی اگر کعبہ میں بھی پڑا ہوا مل جائے تو وہاں سے بھی چوری کر لو) ایک تو چوری پھر یہ سینہ زوری کہ خانہ کعبہ کے اندر سے بھی اسے اڑالینے کا درس دیا جا رہا ہے! گویا دنیا بھر میں کسی اور کے پاس ہونہ ہو ہمارے پاس ضرور ہو بے شک چوری شدہ ہو، لوگوں کے معیار تقا و رعا و از بدلتے بدلتے کہاں سے کہاں تک جانچنے ہیں!

ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور

زرخ نامہ اشتہارات فی اشاعت

- | | |
|------------------------------------|------------------------------------|
| ①..... آخری صفحہ نمائش 2400 روپے | ④..... نصف صفحہ نمائش 750 روپے |
| ②..... اندرون صفحہ نمائش 1800 روپے | ⑤..... چوتھائی صفحہ نمائش 400 روپے |
| ③..... فل صفحہ نمائش 1400 روپے | ⑥..... عام چھوٹے اشتہارات 300 روپے |

☆ ”الاعتصام“ میں اشتہار لگوانے اور اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے اشتہار فروش خط، مختصر اور مفاد پر ہمارا ارسال کریں۔
☆ مسلسل اشاعت (کم از کم 6 ماہ) 20 فی صد خصوصی رعایت۔ ☆ ”الاعتصام“ سے تعاون آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔

رابطہ کے لیے: دفتر ہفت روزہ الاعتصام شیش محل روڈ، لاہور، فون: 042-37354406

مکاتیب

مشاہیر نامہ

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ بنام مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ

حضرت مولانا زاد مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج بہ مشورہ احباب فیصلہ کیا گیا ہے کہ جناب جامعہ سلفیہ میں ۱۵ ارشوال ۱۳۷۸ھ سے تشریف لانا شروع فرمادیں۔

امید ہے جناب کی تشریف آوری سے جامعہ میں نئی روح پیدا ہوگی۔ والسلام

محمد اسماعیل، ناظم تعلیمات جامعہ سلفیہ

۴/۵/۵۹

.....(۲).....

۲۰-۲۵

محترم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج بخیر۔

مکتوب سامی ملا جامعہ کے متعلق مفید مشوروں کے لیے شکریہ۔ گزارش ہے کہ دنیا کی ناسازگار یوں کا ایک طویل سلسلہ ہے شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا آدمی ہو جسے ناسازگار یوں سے سابقہ نہ پڑا ہو اس راہ میں اصل چیز صبر اور استقامت ہے اور اصول سے وابستگی۔

جناب جب جامعہ میں بطور رفیق شریک ہوئے تھے میں یقین رکھتا تھا کہ اب یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوگا اور ہم برسوں تعاون اور تناصر کے ساتھ اس سفر کو جاری رکھ سکیں گے۔ مجھے بے حد تعجب ہوا کہ جناب نے آشیانہ بدلنے میں واقعی عجلت فرمائی۔ جناب کا معاملہ مولوی شریف اللہ صاحب سے کسی قدر مختلف ہے۔ کیوں کہ جناب نے تھوڑی سی وضع داری ضرور رکھی ہے مولانا سے یہ بھی نہ ہوسکا۔

میں سمجھتا ہوں کہ استغنیٰ کی اصل وجہ رفقاء کی ناہمواری ہے یہ درست ہے کہ ان حالات میں کام کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اگر آشیانہ بدلنے سے پہلے اس کا علم ہو جاتا تو شاید معاملہ حل ہوسکتا اور جناب کو تکلیف نہ ہوتی مگر معلوم ہوتا ہے جناب آشیانہ کی تلاش میں رہے جب وقت آگیا ہمیں مطلع فرمادیا۔ میں سمجھتا ہوں دنیا میں دانش مندی یہی ہے گویہ میری توقعات کے خلاف ہوا ہے۔ تجری الیواح بما لا تشتهي السفن

مولانا! شاید جناب نہ جانتے ہوں میں برسوں سے ایسے حالات سے گزر رہا ہوں۔ رفقاء سے حسب منشا توافق نہیں لیکن چوں کہ سازگار آشیانہ کی تلاش میرے پروگرام میں نہیں اس لیے میرا سفر ناسازگار حالات میں بھی جاری ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔ جناب نے جو کچھ کیا درست ہے دانش مندی ہے لیکن جناب کے مقام سے کس قدر نیچے ہے۔

مولانا! ہمیں اس وقت جامعہ سے ایسا ربط رکھنا چاہیے کہ ہم جامعہ کے ہیں اور جامعہ ہمارا ہے۔ یہ درست نہیں کہ جامعہ رفقاء کا ہے اور جناب صرف ان کے ساتھ معلق ہیں۔ یہ تعلق جہاں ٹوٹے معاملہ وہیں ختم ہو گیا۔ مسلک سلف کے ساتھ اپنے اسلاف کی وابستگی اور ان کی خدمات پر نظر فرما کر اور پھر اپنی معذوریوں اور معذرتوں پر غور فرمائیں۔ والخیر فیما وقع

اب یہ بحث بے سود ہے اللہ تعالیٰ آپ کے موجودہ انتخاب کو سازگار فرمائے اور آپ وہاں پر کوئی صحیح خدمت فرمائیں۔

یہ جناب نے درست فرمایا کہ ”جتنی چادر ہوا تنے ہی پاؤں پھیلانے چاہئیں“ لیکن یہ دانش مند اور دولت مند حضرات کا اصول ہے ہمارے ہاں تو ہر سال ممکن سعی کے بعد توکل سے شروع ہوتا ہے اور توکل پہ ختم ہو جاتا ہے۔ مجھے تو پوری زندگی ایسا موقعہ نہیں ملا کہ پاؤں ماپ کر چادر بنائی ہو۔ شکر ہے کہ جب پاؤں پھیلے چادر مل گئی اور اپنے بزرگوں سے بھی قریب ایسی ہی روایات سنی گئی ہیں۔

ہماری دنیا میں مشاہرات کا تعین اور رواتب کی بروقت ادائیگی کا رواج کب تھا متوکلین کی ایک جماعت تھی جو سنت کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھی اور مسلک سلف کی ترویج ان کا اپنا فرض تھا وہ کسی کے لیے ایسا نہیں کرتے تھے۔

مولانا شریف اللہ صاحب کی بات چھیڑنا بے سود ہے میرے دل میں ان کے لیے احترام تھا اور ہے لیکن جو کچھ انہوں نے کیا اس کے لیے توجیہات بے سود ہیں۔

امید ہے جناب کی نوازشات جامعہ پر بدستور رہیں گی اور آپ اپنے تعاون سے ہمیں محروم نہیں رکھیں گے۔ جناب اگر مولوی شریف اللہ صاحب کی روش بھی اختیار فرماتے تو بھی ذاتی مراسم ان شاء اللہ بدستور قائم رہتے۔

مولوی اسحاق کی بعض مسامحات کا پہلے بھی علم تھا جناب کے مکتوب گرامی سے بعض دوسرے گوشوں سے بھی پردہ کشائی ہوئی اس کے لیے ہم لوگ آپ کے ممنون ہیں۔

جناب نے یہ نصائح حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف کی طرح لب جو بیٹھ کر دی ہیں کاش آپ قعر و ریاء میں کچھ دیر شنواری کی تکلیف بھی فرماتے۔ مقصد دین کی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ جس قدر توفیق مرحمت فرمائے خوش بختی ہے۔

نصاب کی تکمیل کے لیے چند ماہ تک مجلس بلانے کا خیال ہے امید ہے جناب تشریف لائیں گے۔

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

.....(۳).....

۶۳-۴-۳

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی

پہلی ملاقات دوسرے دن حاضری کے لیے نکلے حاجی صاحب کی گاڑی فارغ نہ تھی رکشا کیا مولوی بیچی نے راستہ بھلا دیا قاری عبدالخالق صاحب واپس آتے راستہ میں ملے آپ حضرات کو انتظار کی زحمت ہوئی معذرت خواہ ہوں۔ اگلے دن پھر حاضر ہوا غالباً جمعرات تھی کافی دیر بیٹھے

رہے۔ نقاری عبدالخالق آئے نہ جناب۔ ہم بیٹھ کر واپس آ گئے۔ السن بالسن والجروح قصاص۔ ایک رقعہ دے آیا غالباً ملا ہوگا۔

جناب نے نصاب دیکھ لیا ہوگا۔ اپنی ترمیمات سمیت واپس فرما دیجیے اجتماعی مشورہ کے لیے ممکن ہے کوئی وقت نکل سکے۔ کراچی میں موحدین میں کافی کشیدگی ہے تاش کبریٰ زادہ نے حضرت ابن عباس سے نقل فرمایا ہے:

ایاکم والتعارض بین العلماء فانہم اشد من التیوس۔

یہ علماء کا شکوہ ہے کراچی تاجر حضرات بھی کسی سے کم نہیں کوشش فرمائیں مختلف احزاب ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں۔

مولوی یوسف صاحب نے پندرہ طلبہ کو تیار کیا ہے غالباً اسی انداز سے جس کا خطرہ تھا جہاں علم اور عقل کی جگہ کبر اور شر نے لے لی ہو انجام کا

خدا حافظ۔

امید ہے جناب سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں گے۔

والسلام

محمد اسماعیل

کان اللہ

ماہ شعبان کی بدعات و رسومات

مولانا عاشق الہی

بچوں کو آتش بازی پھلجھڑی انار اور پٹانے چھوڑنے کے لیے پیسے دیئے جاتے ہیں اور ان کو بچپن ہی سے خدائے تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ بہت سے بچے اور بڑے جل جاتے ہیں۔ بلکہ بعض مرتبہ دکانوں اور مکانوں تک میں آگ لگ جاتی ہے۔ پھر بھی یہ رسم بد نہیں چھوڑتے۔ اللہ سمجھ دے۔

بہت سی مسجدوں اور گھروں میں ضرورت سے زیادہ چراغ جلائے جاتے ہیں، قہقہے روشن کیے جاتے ہیں، لائٹ کا اضافہ کیا جاتا ہے، بہت زیادہ روشنی کی جاتی ہے، گھروں سے باہر دروازوں میں کئی کئی چراغ رکھے نظر آتے ہیں اور بعض مکانوں کی منڈیروں پر اور دیواروں پر قطار کے ساتھ چراغ جلا کر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ یہ سب اسراف اور فضول خرچی ہے۔ جس کے بارے میں حکم قرآن سے ابھی اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

یہ چراغاں ہندوستان کے مشرکوں اور ہندوؤں کی دیوالی کی نقل ہے اور سخت حرام ہے۔ آگ سے کھیلنا اور آگ سے شوق رکھنا آتش پرستوں کے یہاں سے چلا ہے بعض بزرگوں نے فرمایا: یہ شب برات میں زیادہ روشنی کرنے کا سلسلہ برا مکہ سے شروع ہوا ہے۔ یہ لوگ پہلے آتش پرست تھے جب اسلام لائے تو انہوں نے یہ رسم اسلام میں داخل کر دی تا کہ مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے وقت آگ سامنے رہے۔ کیسے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے آتش پرستوں کی چیز اپنائی۔

کیسی عجیب بات ہے کہ آسمان سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور نیچے رحمتوں کا مقابلہ آتش بازی اور فضول خرچی اور طرح طرح کے گناہوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ کوئی ہے

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ آج ہماری شومی اعمال نے اس کے ثواب کو عذاب سے اور برکات کو دینی و دنیوی نقصان سے بدل دیا ہے۔ طرح طرح کی بدعتیں اور قبیح رسمیں ایجاد کر کے باعث برکت رات کو سراپا گناہ اور معصیت بنا لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ چھوڑ کر قسم قسم کی بدعات ایجاد کر لی گئی ہیں۔ جن کو فرائض کی طرح التزام سے ادا کیا جاتا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:

آتش بازی:

یہ رسم نہ صرف ایک بے لذت گناہ ہے بلکہ اس کی دنیوی تباہیاں بھی ہمیشہ آنکھوں کے سامنے آتی ہیں۔ اس میں ایک تو اپنے مال کا ضائع کرنا ہے اور بے جا اسراف ہے جو خود دنیا میں بھی ہر قسم کی بربادی کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ان المبذرين كانوا اخوان الشياطين﴾

”بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔“

﴿ولا تسرفوا ان الله لا يحب المسرفين﴾

اسراف نہ کرو کیوں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

جس قوم کی اقتصادی حالت نازک اور خطرناک ہو اور جس کو افلاس نے دوسری قوموں کا غلام بنا رکھا ہو۔ اس کا اتنا روپیہ اس طرح فضول اور بے ہودہ رسوم میں ضائع ہو تو اس کی قومی زندگی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ ہر سال اس رات میں یہ افلاس زدہ قوم لاکھوں روپیہ آتش بازی، انار اور پٹانے وغیرہ چھوڑنے پر خرچ کر دیتی ہے۔ اور گاڑھی کمائی کو نذر آتش کر کے مبارک رات کی برکتوں کو بھسم کر ڈالتی ہے۔ اور یہ عمل خلاف شرع ہونے کے ساتھ ساتھ خلاف عقل بھی ہے۔

ان کی فاتحہ ہے اوّل تو سرے سے یہی غلط ہے کہ دندان مبارک ان دنوں میں شہید ہوا تھا۔ یا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس تاریخ میں شہید ہوئے کیوں کہ دونوں حادثے ماہ شوال میں واقع ہوئے ہیں۔ پھر اگر بالفرض ہوں بھی تو اس قسم کی یادگاریں بغیر کسی شرعی امر کے قائم کرنا خود بدعت اور ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ یہ عجیب طرح کی فاتحہ ہے کہ خود ہی پکایا اور خود ہی کھا گئے۔ یادو چار اپنے احباب کو کھلا دیا۔ فقراء و مساکین جو خیرات کے اصلی مستحق ہیں وہ یہاں بھی دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں، کسی فقیر کو ایک چپاتی اور ذرا سا حلوہ دے کر پورے حلوے کا سامان پہنچنے کا یقین کر لیتے ہیں اور یہ بات بھی عجیب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو (بالفرض) دندان مبارک شہید ہونے کی وجہ سے حلوہ کھایا مگر نالائق امتی بغیر کسی دکھ درد کے حلوہ اڑا رہے ہیں۔ اللہ ہی سمجھ دے۔

مسور کی دال:

بعض لوگ اس تاریخ میں مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں اس کی ایجاد کی وجہ بھی اب تک معلوم نہیں ہوئی۔ اس میں بھی وہی خرابیاں موجود ہیں جو رسم حلوا میں ذکر کی گئی ہیں، مثلاً فرض کی طرح لازم کر لینا اور یہ جو نہ پکائے اسے نکوبانا۔

برتنوں کا بدلنا اور گھر کا لینا وغیرہ:

بعض لوگوں نے اس رات میں گھر لینے اور برتن بدلنے کی عادت ڈال رکھی ہے۔ یہ بھی محض لغو اور بے اصل ہونے کے علاوہ ہندوؤں کے ساتھ مشابہت ہے جس کی حدیث و قرآن میں سخت ممانعت ہے۔

الحاصل شعبان کی پندرہویں شب مبارک شب ہے، اس میں نمازیں پڑھنا اور ذکر و تلاوت میں لگنا چاہیے..... اور حلوے کی پابندی کرنا اور برتیاں جلانا قبرستان میں میلے لگانا چراغاں کرنا۔ آتش بازی پھلجھڑی پٹانے چھوڑنا یہ امور خلاف شرع ہیں اور بدعت ہیں اللہ نے مبارک رات نصیب فرمائی اس کا تقاضا یہ تھا ہم شکر گزار بندے بننے اور عبادت و طاعت میں لگتے۔ لیکن شیطان نے عبادت سے ہٹا کر بدعت میں لگا دیا۔ شیطان ہمیشہ اپنی کوشش میں لگا رہتا ہے۔



کہ مجھ سے مانگے اور یہاں مانگنے کے بجائے فسق و فجور اور کھیل کود میں گزارتے ہیں۔

رات کو جاگنے کے لیے اگر اتفاقاً دو چار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور اپنی نماز و تلاوت میں مشغول رہے تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن بعض شہروں میں اس کو بھی اس حد تک پہنچا دیا گیا ہے کہ اس کو روکنے کی ضرورت ہے، مثلاً بلا بلا کر اہتمام سے لوگوں کو جمع کرتے ہیں اور لہو و لعب میں رات گزرتی ہے۔ اہتمام کے ساتھ مسجدوں میں مرد و عورت اور بچے آتے ہیں، شور و شغب ہوتا ہے۔ بے پردگی ہوتی ہے۔ عورتوں کو فرض نماز کے لیے بھی مسجد جانے سے روکا گیا ہے۔ پھر نقلیں پڑھنے کے لیے جانے کی کیسے گنجائش ہو سکتی ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے عبادت کا زیادہ شوقین کوئی نہیں ہو سکتا کبھی اس طرح بھی جمع نہیں ہوتے تھے۔ غفلت اور جہالت کی وجہ سے بہت سی باتیں آداب مساجد کے خلاف اور ملامتہ اللہ کی ایذا کا باعث ہو کر بجائے نفع کے نقصان و خسران کا سبب بن جاتی ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ)

الغرض اس رات کے اعمال مسنونہ صرف وہ ہیں جو اوپر بیان کیے گئے ان کے علاوہ جو کچھ لوگوں نے ایجاد کیا ہے وہ سب بدعت و محرمات اور دینی بربادی کا باعث ہیں ان کے کرنے سے بدرجہا بہتر ہے کہ آدمی پیر پھیلا کر سو جائے۔

رسم حلوہ:

اس کو ایسا لازم کر لیا گیا ہے کہ اس کے بغیر سمجھتے ہیں کہ شب برات ہی نہیں ہوئی۔ فرائض و واجبات کے ترک پر اتنی ندامت و افسوس نہیں ہوتا۔ جتنا حلوہ نہ پکائے پر ہوتا ہے اور جو شخص نہیں پکاتا اس کو کنجوس و ہابی و بخیل وغیرہ کے القاب دیئے جاتے ہیں۔ ایک غیر ضروری چیز کو فرض واجب کا درجہ دینا گناہ ہے اور بدعت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا جب دندان مبارک شہید ہوا تھا تو آپ نے حلوہ نوش فرمایا تھا، اس کی یادگار ہے۔

اور کوئی کہتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس تاریخ میں شہید ہوئے تھے

موسیقی، رقص و سرود اور ناچ گانے کی شرعی حیثیت

حافظ عثمان فاروقی (مدرس دارالسنہ اسلامک کالج، لاہور)

استدلال لیا گیا ہے ان کا علمی و تحقیقی جائزہ پیش خدمت ہے:

پہلی دلیل:

﴿وَسَخَرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالِ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ﴾ [الانبیاء]

﴿إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالِ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشَى

وَالْأَشْرَاقِ﴾

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں ”یسبحن“ کے لفظ سے رقص و سرود کا استدلال کشید کرنا بڑی کج فہمی کا ثبوت ہے ہم پوچھتے ہیں آج سے پہلے کس مفسر نے اس آیت سے رقص و سرود کو ثابت کیا ہے اور انہیں اپنے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کی کنز الایمان ہی دیکھ لیجیے جب کہ ان کا رقص و سرود سے نفرت کا اظہار آنے والی سطروں میں بیان کیا جائے گا۔

دوسری دلیل:

﴿إِنْ كُنْتَ نَذَرْتَ فَافْعَلِي﴾

اس حدیث میں فقط دف کا ذکر ہے اور دف بجانا ہم بھی مانتے ہیں۔ کیوں کہ جو چیز صحیح احادیث سے ثابت ہوگی ہم اس کو تسلیم کریں گے۔ رہی یہ بات کہ آپ نے موسیقی، رقص، سر اور وجد کو کہاں سے ثابت کیا جو الگ الگ اصطلاحات ہیں اگر آپ کا یہی جواب ہے تو کل کو آپ مرغابی کو دلیل بنا کر کوا اور گھوڑے کو دلیل بنا کر گدھا حلال کر بیٹھیں گے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

تیسری دلیل:

علامہ ابن منظور افریقی کی تعریف کے عربوں کے ہاں اونچی آواز سے گانا غناء ہے۔ اس تعریف کو پیش کر کے موصوف نے ڈراموں اور

جناب ڈاکٹر طاہر القادری اور ان کے ہم نوا قرآن و سنت کی تاویلات کی بالا دستی اور مختلف قسم کے فتنوں کو ہوا دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور موجودہ دور میں بھولے بھالے اور کمزور عقیدہ والے لوگوں پر ان کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

چنانچہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی صاحب کا مضمون ”سرساز اور وجد و رقص“ پڑھنے کا اتفاق ہوا اور اس بات پر شدید حیرانگی اور افسوس بھی ہوا کہ کس طرح قرآن و حدیث کو توڑ مروڑ کر قرآنی تعلیمات کا مذاق اڑایا گیا ہے اور سلف کے منہج کی ہتک کی گئی ہے۔ تاہم اس مضمون کی چند علمی خیانتیں ملاحظہ ہوں:

﴿..... مضمون کا عنوان ”سر، آواز، اور وجد و رقص“ ہے۔ اور موصوف ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اور قرآن و حدیث کی تاویلات کرنے کے بعد بھی اسے ثابت نہیں کر پائے، مثلاً:

دف کے ضمن میں رقص، ناچ، گانا، موسیقی اور سر ثابت نہیں کی جاتی۔ قبل اس سے کہ ہم دف کا معنی بتلائیں یہ عرض کر دیں کہ دف بجانا حدیث سے ثابت ہے لیکن دف نہ ڈھول کو کہتے ہیں اور نہ ہی بانسری اور موسیقی کو کہا جاتا ہے۔ بلکہ دف کہتے ہیں ایسا برتن یا ایسی چیز جس کا ایک طرف والا حصہ خالی ہو۔ چنانچہ لغت کی مشہور ترین کتاب ”مصباح اللغات، ص: ۲۴۲“ کا حوالہ ملاحظہ ہو:

الدف: ہر چیز کے پہلو کو کہتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ کسی خوشی کے موقع پر چھوٹی بچیاں بجا سکتی ہیں جب کہ موسیقی، سر، ناچ، گانا، شریک اور فحش اشعار اس میں شامل نہ ہوں جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

اس پورے مقالہ میں کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس میں موسیقی، گانے باجے اور رقص و سرود ثابت ہو سکے۔ نیز جن احادیث سے یہ غلط

اللہ ﷺ نے فرمایا کرتے ہیں۔ چنانچہ شخص عربی زبان کی لغت اور رموز سے واقف ہے وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔

چھٹی دلیل:

ما کان معکم لہو فان الانصار یعحبہم اللہو۔
اس حدیث مبارکہ سے موسیقی، رقص و سرود و جد اور گانا وغیرہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس میں لہو سے مراد خیر و برکت کی دی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری (۵۱۵۶) کی حدیث ملاحظہ ہو:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب مجھ سے نبی ﷺ نے شادی کی میری والدہ میرے پاس آئی تو انصار کی عورتیں کہنے لگیں:

علی الخیر والبرکۃ۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں ”لہو“ سے مراد موسیقی و گانا وغیرہ مان لیا جائے تو قرآن کی مندرجہ ذیل آیت سے اس کی تردید ہوتی ہے:

ومن الناس من یشتري لہو الحدیث الخ۔
اور لوگوں میں سے کچھ ہیں جو ”لہو الحدیث“ خریدتے ہیں..... ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

امام واحدی نے فرمایا: اکثر مفسرین نے ”لہو الحدیث“ سے مراد گانا لیا ہے۔

عبداللہ مسعود اور دیگر صحابہ و تابعین لہو الحدیث سے گانا مراد لیتے ہیں۔ دیکھئے [لباب التاویل فی معانی التنزیل: ۳/۳۹۷ بیروت]
یاد رہے کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کے ”کنز الایمان“ میں لہو الحدیث کا ترجمہ کھیل کی باتیں کیا ہے۔ [جاری ہے]



پروفیسر ڈاکٹر عبدالغفور راشد کا اعزاز

ممتاز سکالر و ماہر تعلیم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالغفور راشد کو ایک اہم تعلیمی ادارے ”اردو سائنس بورڈ“ کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا ہے۔ اس اعزاز پر ڈاکٹر صاحب موصوف کو ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ [محمد سلیم چنیوٹی]

فلمی گلوکاروں کے موقف کو تقویت دی ہے اور اپنا منہج بڑا خوب واضح کیا ہے۔ یاد رہے کہ اونچی آواز کا مطلب یہ ہی نہیں کہ اس میں موسیقی ہو، سر اور رقص ہو یا ہم بتلاتے ہیں اگر قرآن اونچی آواز میں پڑھا جائے، شرک سے پاک نعت اونچی آواز سے پڑھی جائے۔ جہادی ترانے اور نظمیں وغیرہ اونچی آواز میں پڑھے جائیں جب کہ ان میں موسیقی، گاجے باجے اور ڈھول ڈھمکا شامل نہ ہوتے جائز ہے (جیسا کہ چند سطور کے بعد ہم ان تمام چیزوں کی حرمت قرآن و حدیث ائمہ اربعہ اور دیگر اولیاء کے اقوال سے واضح کریں گے)۔

چوتھی دلیل:

سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کا شعر پڑھنا: روئے زمین پر ابھی تک کسی ایسے شخص نے جنم نہیں لیا جو یہ ثابت کر سکے کہ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار میں موسیقی وغیرہ شامل تھیں اور پتہ نہیں آپ اس حدیث سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ شعر ہم بھی پڑھتے ہیں۔ (مگر قرآن و سنت کے دائرے میں رہ کر)

پانچویں دلیل:

سیدہ ربیع بنت معوذ بن عفرہ رضی اللہ عنہا والی روایت سے مندرجہ ذیل مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔

①..... یعنی نابالغ بچیاں دف بجا سکتی ہیں۔

②..... نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں جیسا کہ اس بچی نے جب کہا کہ ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے تو اس بات سے آپ نے اسے منع فرمادیا۔ بہر حال یہ الگ مضمون ہے۔

یاد رہے کہ مفتی صاحب کی معنوی خیانت اس حدیث میں بھی بڑی ابھر کر سامنے آئی ہے، مثلاً حدیث کے الفاظ ہیں:

قولی ما تقولین۔

”جو تو کہہ رہی تھی کہتی رہ۔“

جب کہ مفتی صاحب نے ترجمہ کیا ہے جو تو گارہی تھی گاتی رہ۔ ہم پوچھتے ہیں کیا ”قال یقول“ کا ترجمہ گانا ہوتا ہے؟ اس سے قطع نظر آپ ”قال رسول اللہ“ کا ترجمہ رسول اللہ ﷺ گایا کرتے ہیں۔ یا رسول

حج انزولمٹ
3246

سعودیہ منتظم نمبر
4139

ٹورزم لائسنس نمبر
3359

ٹرپولز اینڈ ٹورز

(پرائیوٹ) لمیٹڈ

حج 2010

کتاب و سنت کے مطابق فریضہ حج کی ادائیگی
کیلئے

فاضلین مدینہ یونیورسٹی علماء کرام کے ساتھ حج کیجئے

سردار محمد نواز ڈوگر

0300-4699430



محمد زبیر عقیل

0300-8450426 فاضل مدینہ یونیورسٹی
0333-4484837 ایم اے شباب یونیورسٹی



شناور سیٹرموٹر سمن آباد ملتان روڈ، لاہور۔ فون: 2-042-37525001

ای میل: takbi@travel@yahoo.com، ویب سائٹ: www.takbeertravels.com.pk

اجنبی فضا

یہ مرض بھی کیسا عجیب ہے نہ دوا لگے نہ دعا لگے
رگ جاں میں ایسی چھن سی ہے رم زندگی بھی سزا لگے
کہے کوئی کیسی حیات ہے نہ شکستگی نہ ثبات ہے
کبھی شہد بھی لگے زہر سا کبھی سم بھی آب بقا لگے
یہ گھٹن کا منظر بے نشان سبھی بام و در ہیں دھواں دھواں
کہیں دُور شہر سے جا بسیں کہ بدن کو تازہ ہوا لگے
ڈھلے سر سے سایہ ہر اس کا گھلے در جو حُسنِ قیاس کا
سرِ شام کوئی شرار بھی رہ جستجو کا دیا لگے
یہ نظر میں سائے نہیب کے سہے زخم ایسے فریب کے
کہ دھڑکتے لمحوں کی چاپ بھی لب دشمنان کی صدا لگے
سبھی حاجتوں کے ہیں مرحلے سبھی خواہشوں کے ہیں زاویئے
پرکاش سے بھی حقیر شے کسی وقت برگِ ہما لگے
پڑے دن جو راسخ ہمنوا بڑھا جان و تن میں بھی فاصلہ
جہاں عمر کی تھیں شناختیں وہی اجنبی سی فضا لگے

[راسخ عرفانی]